بھارت درپن

کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی

بھارت درپن

یا

مسدّسِ کیفی

بھارت ورش کی حالت کا آئینہ یعنی آریہ ہندوؤں کی گذشتہ عظمت
موجودہ تنزل اور آئندہ ترقی پر ایک دلچسپ نظم

مصنفہ

برج موہن دتاتریہ کیفی

ناشر

کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی

قیمت — سنہ ۱۹۵۰ء — ۸ر

پبلشر کا نوٹ

بھارت درپن کے مصنف پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی کی ہستی ادب کی دنیا میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ آپ نے جس طرح زبان اور ادب کے بہت سے دور دیکھے، ادب میں بھی بہت سی جدتیں کی ہیں۔ بے قافیہ نظم سب سے پہلے اردو میں آپ ہی نے لکھی۔ نئی شاعری میں رنگینی اور تغزل بھی آپکے اختراعات میں سے ہے۔ نظم نثر اور ڈراما وغیرہ میں آپ کی تصنیفات کثرت سے ہیں۔ اور کئی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں۔

بھارت درپن اردو اور ہندی زبانوں میں خاص اہمیت رکھتا ہے یہ کتاب پچاس برس کے قریب گزرے پہلی دفعہ شائع ہوئی تھی۔ اُس وقت اردو اور ہندی کا ادب وطنی شاعری سے جہاں تک اہلِ ہنود کا تعلق ہے نا آشنا تھا۔ کیفی صاحب نے یہ راستہ بتایا اور وطن کو سکھایا کہ تعصب سے الگ رہ کر اہلِ وطن کو اس طرح بیدار کر سکتے ہیں۔ ہندی ادب پر اس کا بہت اثر ہوا۔ بلکہ اس میں نام کو مبالغہ نہیں کہ حضرت کیفی کی اس کتاب نے شری میتھلی سرن گپت سے بھارت بھارتی لکھوائی۔ اور ہندی میں وطنیت کی شاعری کی بنیاد رکھی۔ گپت جی نے بھارت بھارتی کے دیباچہ میں اس کا اعتراف تشکر یہ کے ساتھ کیا ہے

کیفی صاحب کی عمر اس وقت چوراسی برس کی ہے۔ اور صحت کی خرابی کے باوجود اب تک ادبی مشاغل جاری ہیں۔

پرانے دیباچے میں سے

بھائیو! ہمارا وطن بیمار ہے، بے کسی اور مایوسی کا شکار ہے۔ بیچارہ نیم حکیموں کی ایک بھیڑ کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے اگر کسی بندۂ خدا کے ذہن میں معقول صلاح اور نیک تدبیر معالجہ کی آتی بھی ہے تو سب اسکی کھلی اڑا کر کہتے ہیں۔ کہ "خوب یہ انوکھا علاج اور نرالی تدبیر ہے۔ اپنی تشخیص کی رام کہانی رہنے دیجئے اور مرض کے اسباب کے تسلسل کو تہ کر رکھئے۔ جناب یہ تو مرض الموت ہے اس سے کوئی جانبر ہوا ہی نہیں اور پھر یہ سب دوائیں تو دیجا چکی ہیں۔ آپ کے نسخہ میں نئی چیز ہی کونسی ہے۔

اگر وہ یہ جواب دیتا ہے۔ کہ "دوائیں یہی فرداً فرداً دیجا چکی ہونگی مگر نامناسب موقعوں پر۔ غیر تناسب مقدار میں اور غلط بدرقہ کے ساتھ۔ اور پھر ان کی تاثیر کا انتظار کئے بغیر جلدی سے دوسری دوا دیدی گئی طبیب کا کام صرف یہ ہے کہ اسباب علالت کے ازالہ سے طبیعت کی مدد کرے۔ نہ یہ کہ طبیب مرض سے کشتم کشتا اور لٹھم لٹھا ہو جائے۔ اور بیچارہ مریض خواہ مخواہ بیچ میں پس جائے۔ مرض علاج پذیر ہے۔ مگر دیر طلب صحیح طریق پر معالجہ ہونے دیجئے اور نتیجے کا انتظار کیجئے۔ مگر اسکی کوئی نہیں سنتا اور سب یہ کہکر کہ "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود" اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔

ہاں کوئی اسے چاہے ایک من گھڑت کہانی سمجھے۔ مگر حقیقی محبان وطن کے یقین میں ہو بہو یہی حالت اس پیارے۔ بیچارے وطن کی ہو رہی ہے

اور یہ کتاب اس درد انگیز کہانی کی منظوم تفسیر ہے۔

پیارے بھائیو۔ کیا اس مریض کی حالت مایوسی اور بے پروائی کی مستحق ہے؟ کیا تم اپنے بزرگ کو اس زار حالت میں چھوڑ کر واقعی خوش و خرم رہ سکتے ہو؟ جس نے تم کو وجود دیا اور شخصیت بخشی۔ کیا اُس کا تم پر کوئی حق اور فرض نہیں ہے۔

جب تک سانس ہے تب تک آس۔ آؤ ہم سب کمر ہمت باندھیں اور اپنے بزرگ بیمار کو موت کے منہ سے بچالیں! وہ بستر بیماری پر ہے بستر مرگ پر نہیں وہ مجروح ہے مقتول نہیں۔ یہ انتہائے خود غرضی ہو یا قطعی بیغرضانہ خدمت۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے مریض کی شفایابی میں حتی الوسع کوشش کریں۔

آؤ ہم سب نتیجہ کو پرماتما کے سپرد کریں اپنے فرض لازمی کے ادا کرنے میں جان کھپائیں۔ ناممکن ہے کہ اچھے کام اچھا پھل نہ لائیں۔ خواہ ہمیں ان کے ثمرے کی خواہش ہو یا نہ ہو۔

برجموہن دتاتریہ۔
۲۰ جون ۱۹۰۵ء

ہٹی زلفِ شب جبکہ روئے جہاں سے — لگی گرنے افشاں رُخِ آسماں سے
ڈھلا رات کا سرمہ چشمِ زماں سے — چلی لیکے پنکھی صبا بوستاں سے

شفق لے کے گلگونہ آتی تھی تازہ
اٹھانے کو تھا آفتاب آفتابہ

ابھی صبح کاذب تھی صادق کے بدلے — نہ تھے صاف تیور تھے گردوں کے بدلے
کہ طور ایکدم میں زمانے کے بدلے — نہ معلوم کب کے لگا لینے بدلے

زمیں لے کے انگڑائی کروٹ بدل کر
اٹھی اور بیٹھی۔ بگڑ کر مچل کر

سحر صبح محشر سے بھی وہ سوا تھی — کہ شام عدم جس کے دم پر فدا تھی
وہ پرلے کے دن کی مگر رونما تھی — ستم تھی۔ قیامت تھی۔ کیا جانے کیا تھی

وہ تاریخ چوتھی مہ اپریل کی
رہے گی ہمیشہ غم افروز دل کی

ابھی صبح کا تھا نہ نکلا ستارہ ہوا تھا نہ دامانِ شب پارہ پارہ
کہ دل میں زمیں کے اٹھا اک حرارہ رگوں میں گیا دوڑ ایسا شرارہ

کہ بنیاد جس نے جہاں کی ہلا دی
بنا کوہسار اور وادی کی ڈھا دی

زمیں کے طبق کل تزلزل میں آئے سب ارکانِ ارضی ہلے تھرتھرائے
قدم کوہ کے کانپے اور لڑکھڑائے فشارِ اتصالِ عناصر نے پائے

پڑا تہلکہ اک زمیں آسماں میں
مکیں ہو گئے دفن اپنے مکاں میں

زمیں مرکزِ ثقل سے ہٹ گئی تھی وہ محور سے گویا کہ پھٹ کر بچی تھی
کششِ شمس کی اس پہ باطل ہوئی تھی عدم کے خلا میں وہ چکرا رہی تھی

قدم ڈگمگائے تھے گاوِ زمیں کے
شہابے بنے تھے چھلاوے زمیں کے

تلاطم میں جس طرح آئے سمندر تھا ایسا ہی طوفاں بپا یاں زمیں پر
ہوں غرقاب جیسے جہاز اور سٹیمر ہوئے غرق قعرِ زمیں میں یونہی گھر

نہنگِ اجل بن گئی دھرتی ماتا
بہت غیظ و غصہ میں تھی دھرتی ماتا

زمیں ہو گئی آسماں ایک دم میں مکاں بن گئے لامکاں ایک دم میں
نشاں ہو گئے بے نشاں ایک دم میں بلا آئی وہ ناگہاں ایک دم میں

کہ زیر و زبر کر دیا کوہ سارا
سنچا ایک پل میں زمانہ کو مارا

بہت چشمے سرچیوں اس میں سمائے — بہت غار ٹیلوں کی جا پر بنائے
نشاں شاہراہوں کے یکسر مٹائے — زمیں نے غرض گانو کے گانو کھائے

وہ بھونچال تھا یا تھا قہر الٰہی
لرزتا ہے دل سوچکر وہ تباہی

نہ قلعہ بچا اور نہ مندر رہی کوئی — نہ قایم رہی بارک اور گھر رہی کوئی
نہ چھوڑا غریب اور توانگر رہی کوئی — رعایا بچی اور نہ افسر رہی کوئی

ہوئے شہر گنجِ شہیداں کی صورت
بنے گانو گورِ غریباں کی صورت

دھرم سال کا وہ سہانا سٹیشن — نگر کا نگڑہ کا کہ تھا رشکِ گلشن
وہ کوٹ اور مندر مقدس وہ مسکن — جہاں نورِ قدرت کا تھا جلوہ افگن

ہوئے ایک پل میں زمیں کے برابر
نشاں اب ہیں اُن کے نہیں کے برابر

جو اس مرگِ انبوہ سے بچ گئے تھے — دل اُن کے زمیں کی طرح کانپتے تھے
گھٹے دل تھے انکے دبے حوصلے تھے — نہ ہوش و حواس ان میں باقی رہے تھے

غریب اپنے پیاروں کے غم میں تھے گریاں
امیر اپنے سیف اور خزانوں کے جویاں

غرض بے کسی کا تھا عالم نمایاں — زبانیں تھیں بند اور گم سب کے اوساں
تھے بیدست و پا لوگ حیراں پریشاں — پہننے نہ کھانے کا باقی تھا ساماں

تھے ایسی مصیبت میں بےبیت نواسی
کہ اک غار میں سے اُٹھی اک صدا سی

اُس آواز میں ایسا جادو بھرا تھا | کہ اس کی طرف دل ہر اک کا کھچا تھا
سمجھتا نہ اس کو کوئی بوجھتا تھا | سوئے غار لیکن کھچا جا رہا تھا

کوئی اُس کو بھونچال کی چال سمجھا
تو کوئی مبارک اُسے فال سمجھا

غرض مُتوحّش اور افتاں و خیزاں | دہانہ پہ اُس غار کے پہنچے انساں
تو دیکھا وہ اک عالمِ نور تاباں | کہ ظلمات میں جیسے ہو آبِ حیواں

چٹان ایک اُبھری ہوئی اس کے اندر
بچھی مرگ چھالا تھی اِک اسکے اوپر

تھا اِک پیر مرد اُس پہ آسن لگائے | سَمادھی میں جیسے کوئی بیٹھ جائے
تھے بال اُسکے آسن تلک بڑھکے آئے | جٹا میں تھا سارے بدن کو چھپائے

پلک اُسکے لیتے تھے عارض کے بوسے
ٹکی تھیں بھویں آنکھ کے اوپر آکے

وہ برفانی بال اور وہ نورانی صورت | وہ مستک کا تیج اور وہ چہرے کی رنگت
وہ اِک بقعۂ نور تھا در حقیقت | جسے چھا گئی دیکھ کر سب پہ ہیبت

کوئی بولا بھونچال کا دیوتا ہے
کسی نے کہا یہ زمیں کا خدا ہے

اُسے ہوش سا سنکے اس غل کو آیا | لی اِک سانس لمبی بدن تھرتھرایا
وہ آنکھوں سے مژگاں کا گھونگٹ اٹھایا | پلک کو ذرا آنکھ پر سے اُٹھایا

جنہوں نے کہ اُس آنکھ پر اک نظر کی
رہی سُدھ اُنہیں پانو کی اور نہ سر کی

چڑھی کپکپی سی اک انکے بدن پر — زمیں کی طرح کانپتے تھے وہ تھر تھر
ہوئے گم جو اوسان باقی تھے یکسر — مگر اُن میں چند آدمی تھے خرد ور

انھوں نے قدم حوصلے کا بڑھایا
چرن چومے سیس اُس کے آگے نوایا

یہ دیکھا تو بیر مقدس یہ بولا — کہ "اے بیچیا۔ پُرغرض اہلِ دنیا!
زمیں نے سبق کچھ نہ تم کو دیا کیا — یہاں تم چلے آئے کیوں بے محابا

مگر تم کو کچھ شرم و غیرت ہنیں ہے
کوئی تم میں کیا ذی فراست ہنیں ہے

پاہنچ ہی گئے تم جو مجھ تک تو سن لو — کہ مجھ کو کوئی بھوت یا جن نہ جانو
جو کہتا ہوں دھر کر سنو کان اسکو — سنو۔ سوچو۔ پہچانو۔ سمجھو۔ بچارو

اگر جاننا چاہتے ہو میں کیا ہوں
تو سن لو کہ ست جگ کا میں دیوتا ہوں

چلن جب بگڑنے لگا تھا تمہارا — تو بھارت کی قسمت کا ڈوبا ستارا!
رہا جب نہ دھرم اور سچ کا گذارا — تنزّل کا چمکا جہاں میں شرارا

تو بھارت کی بھومی کو میں چھوڑ آیا
جگہ دی زمیں نے میں اس میں سمایا

ہوئی پاپ کی جب کہ از حد ترقی — تنزّل نے اس دیس کی آ خبر لی
نہ لوگوں میں باقی رہا زہد و نیکی — بزرگوں کی جب چال دنیا کو بھولی

تو پھر دھرتی ماتا کو وہ کوپ آیا
ابھی دیکھ کر آئے ہو روپ جس کا

یہ سنکر لگے سامعین سارے رونے — اور اشکوں سے خاک اپنے چہرے کی دھونے
لگے باقی ماندہ حواس اپنے کھونے — تو فرمایا اس پیر مرد نکو نے
کچھ اس رونے دھونے سے حاصل نہ ہوگا
جو کرموں کا پھل ہے وہ زائل نہ ہوگا

یہ مدت مجھے بیتی دھرتی کے اندر — نظر تھی مگر میرے دل کی تہیں پر
کرموں کا لیکن بندھا تھا وہ چکر — کہ بے سود تھا میرا آنا نکل کر
جو قدرت مجھے اب یہاں کھینچ لائی
تو جو مجھ کو کہنا ہے وہ سن لو بھائی

دکھاؤں گا پہلے بزرگوں کی عظمت — وہ بھارت کا اوج آریوں کی وہ شوکت
تمہاری دکھاؤں گا پستی کی حالت — بتاؤں گا پھر تم کو تدبیر و حکمت
کروگے عمل تم جو ذی ہوش ہوگے
نہیں تو فنا کے ہم آغوش ہوگے

کلام ان مبارک لبوں پر جو آیا — جو اس وقت اس شکل نے کہہ سنایا
مجھے بھی کسی نے وہ آکر بتایا — اٹھا اور قلم میں نے فوراً اٹھایا
رقم کردیا اس کو اپنی زباں میں
نہیں گرچہ وہ زور میرے بیاں میں

[illegible]

کسی قوم پر جب کہ آئی تباہی — جو اٹھ جائے اسکی زمانے سے شاہی
جو ہو جائے راہ تنزل کی راہی — عیاں ہر کہیں جس کی ہو روسیاہی
تو سمجھو زبردست اسکے سبب ہیں
پھنسے جن کے چکر میں انسان سب ہیں

نہیں بے سبب فعل قدرت کا کوئی | نہیں کام بےوجہ فطرت کا کوئی
نہیں دخل اس میں مشیت کا کوئی | غلط ہے جو شاکی ہو قسمت کا کوئی

گلہ اس میں تقدیر کا بے محل ہے
یہ جو کچھ کہ ہے اپنی کرنی کا پھل ہے

مگر وہ جو سب کچھ گنوائے ہوئے ہوں | جو اپنے تئیں خود مٹائے ہوئے ہوں
تنزل سے جو لو لگائے ہوئے ہوں | جو گھر اپنے ہاتھوں لٹائے ہوئے ہوں

نہ قسمت کو ساتھ اپنے وہ کیوں گھسیٹیں
نہ کیوں بیٹھ کر اپنے کرموں کو پیٹیں

ذرا دیکھئے تو یہ حالت ہے کس کی | زمانے میں آج درگت ہے کس کی
[illegible] یہ صورت ہے کس کی | یہ دلسوز پُرغم حکایت ہے کس کی

نہ سمجھے ہو اب تک اگر اے عزیزو
تو سُن لو، وہ ننگِ عالم تمہیں ہو

تمہارا ہی مذکور اب ہر کہیں ہے | تمہیں سے تو شرمندہ یہ سرزمیں ہے
تمہاری مذلّت کا سب کو یقیں ہے | مگر تم کو اس کی خبر تک نہیں ہے

تمہارے تنزل کے چرچے ہیں گھر گھر
بھرے ہیں تمہاری ہی ذلّت سے دفتر

مگر تم ہو وہ خوابِ غفلت کے ماتے | ہوئے جاگ نہیں پر تم اٹھنے میں آتے
نہ کروٹ بدلتے نہ ہو کلبلاتے | مقدر تمہیں سو گیا خود جگاتے

مگر شرط ہے کم کرن سے لگائی
کہاں سے قیامت کی یہ نیند آئی

یہ ہے خوابِ غفلت کہ قہرِ خدا ہے
یہ ہے نیند یا کوئی خوابِ فنا ہے
تھپیڑا زمانے کا تھپکی بنا ہے
فغاں کو اثر لوریوں کا ملا ہے

نہیں ہے تواریخ سے یہ نمایاں
کہ سوتے ہی سوتے گذر جائیں صدیاں

گھٹا ایسی گھنگھور غفلت کی چھائی
نہیں ہاتھ سے ہاتھ دیتا دکھائی
قیامت یہ بادِ مخالف نے ڈھائی
کہ ہے ناؤ منجدھار میں ڈگمگائی

کنارا ہے دور اور طوفاں بپا ہے
عجب حالتِ بے کسی یا خدا ہے

چمن میں خزاں اپنے اٹھلا رہی ہے
قیامت گل و غنچے پر لا رہی ہے
زمیں چرخ بن کر ستم ڈھا رہی ہے
سنو روکے بلبل یہ کیا گا رہی ہے

کبھی خار تھا اس کا باغِ عدن کو!
نظر ہائے کس کی لگی اس چمن کو!!

مرضِ موت کا تن میں گھر کر چکا ہے
وہ تاب و تواں جسم کی چر چکا ہے
غرض مان سب قوم کا مر چکا ہے
گلے پر تنزل تبر دھر چکا ہے

کوئی دم میں ہے راکھ میں ملنے والی
کوئی اس کا ہے گر تو ایشر ہے والی

دم آنکھوں میں آیا ہے نبضیں چھٹی ہیں
لبوں پر ہے جاں پتلیاں پھر گئی ہیں
تنفس ہے اور ہچکیاں لگ رہی ہیں
علامات سب آخری وقت کی ہیں

غرض قوم کی جان پر آ بنی ہے
دمِ واپسیں عالمِ جانکنی ہے

نہیں کوئی گیتا جو اس کو سنائے کھلے منہ میں گنگا جل اسکے چوآئے
کوئی نوشدارو وہی لاکر پلائے نہیں جاں سے تو جانکنی سی بچائے
یہ بے مہر کب تک بھلا تم بنو گے
مگر قوم کے بعد جیتے رہو گے؟

نہ اسلاف کی اپنے کچھ آن تم کو نہ کچھ قومی ہستی کا ہے دھیان تمکو
برے اور بھلے کی نہ پہچان تم کو امنگ اور نہ ہے کوئی ارمان تم کو
مٹانے پہ بے طرح اپنے مٹے ہو
مگر جیتے جی خاک میں مل رہے ہو

نہیں ایسی حالت بتانے کے قابل نہیں ماجرا یہ سنانے کے قابل
زباں تک نہیں ہم ہلانے کے قابل کسی کو نہیں منہ دکھانے کے قابل
بزرگوں کا کس منہ سے ہم راگ گائیں
جب اک گن بھی اُن کا نہ اپنے میں پائیں

مگر ہے ضروری تمہیں یہ بتایا موافق کبھی تھا تمہارا زمانا
کبھی تم بھی تھے ہر علم و فن میں یگانا کبھی تم میں تھا رعب و شانِ شہانا
کہ یاد آئے گوہر ہو تم کس صدف کے
جہاں میں ہو اخلاف تم کس سلف کے

زمانہ تھا وہ بھی کہ تم جاگتے تھے ترقی کے تم سب پہ رستے کھلے تھے
قدم ہمتوں کے بڑھائے ہوئے تھے ارادے تھے مضبوط اور دل بڑھے تھے
خیال ایک گر ذہن میں اپنے آیا
وہ تھا غیر ممکن بھی تو کر دکھایا

تھی اس درجہ کی حوصلہ آزمائی — بناتے تھے پربت کو اک پل میں رائی
گھر اپنا سمجھتے تھے ساری خدائی — پہنچ کر رہے وہاں جدھر آنکھ اٹھائی

علم چار کھونٹوں میں لہرا رہا تھا
کہ قطبین پر اپنا جھنڈا گڑا تھا

وہ دنیا میں گھر اولین آدمی کا — وہ مولد وہ منشا منش اونتی کا
سبب نوعِ انسان کی برتری کا — وہ ملجا و ماوا جہاں میں سبھی کا

کہاں ہے وہ انساں کا مخزن کہاں ہے
وہ یہ آریہ ورت ہندوستاں ہے

زمانے میں جب جہل چھایا تھا یکسر — تمدن تھا جب فہم عالم سے باہر
بنا تھا نہ جب غرب تہذیب کا گھر — اوِدیا کا تھا جب زمانے میں چکر

یہاں علم کی گرم بازاریاں تھیں
پھلی پھولی تہذیب کی کیاریاں تھیں

وہ ویدِ مقدس کا نادر خزانا — دفاتر میں عالم کے سب سے پرانا
جسے ست ودیا کا معدن ہے مانا — ہوا فیض یاب اس سے سارا زمانا

ازل کی ہدایات کا وہ صحیفہ
سبق اولیں جس میں ہے عقل کل کا

جو ویدوں کا پھیلا جہاں میں اجالا — تو گیان اور گن کا ہوا بول بالا
دلوں سے جہالت کو یکسر نکالا — ہر اک ضابطہ زندگی کا سنبھالا

گھٹا کفر اور جہل کی سر سے سر کی
کھلیں برہم ودیا سے آنکھیں بشر کی

سب سے پہلے انسان ہندوستان میں پیدا ہوا۔

وید

سنسکرت کی فضیلت

زباں سنسکرت ایسی اعلیٰ نکالی — زبانوں سے ہے جو جہاں کی نرالی
اسی رُوکھ کی کل زبانیں ہیں ڈالی — ہے لٹریچر اُس کی بلیغ اور عالی
زباں اہلِ یوناں و اٹلینٹس کی
بتاتی ہے تاریخ بچہ ہے اس کی

وہ تکمیل پائی زباں نے یہاں پر — تصوّر سے اور فہم سے ہے جو باہر
وانشا وہ علمِ ادب وہ گرامر — جہاں میں ہوا کوئی جس کا نہ ہمسر
طریقہ نکالا تھا وہ سوتروں کا
سمائے تھے کوزوں میں علموں کے دریا

فلسفہ

وہ حکمت جس سے معرب ہے سارا — نئے جس کے چیلے بنے ہیں نصارا
زمانے کا ہے ذہن جس نے سنوارا — وہ اُس اگن کی جوت کا ہے شرارا
ہے کیلاس پر جس کا ملجا و مسکن
ہمالہ کے غاروں میں ہے جس کا مخزن

جو رشیوں نے حکمت کے درشن بنائے — نکات ان میں ودیا کے یکسر سمائے
وہ گر معنوی علم کے ہیں بتائے — کہ ہیں کلمہ گو ان کے اپنے پرائے
جو دانائے علمِ خفی و جلی ہیں
وہ مداحِ بیاس اور پاتنجلی ہیں

اُپنشد اور درشن

اُپنشد کا انمول ہے وہ خزانہ — زمانے نے اب جس کی قیمت کو جانا
انہیں مانتے ہیں حکیم اور دانا — فدا ان پہ ہے آج سارا زمانا
نہیں یاد کیا فلسفہ وہ کپل کا
ہے دم بند جس سے سپنسر گارل کا

ہوئی طب کی ہر شاخ میں وہ ترقی — کہ اس پر حذاقت ہے یونان کی مبنی
اُسی سے تو نکلی طبابت عرب کی — اُسی نے مسیحائی یورپ کو بخشی

نہ جس نے پڑھا سنگھتا ہو چرک کا
طبیب اور سرجن بنے کیسے پکّا

ترقی یہاں پائی وہ سرجری نے — لکھے اُس پہ ایسے مطوّل سفینے
نکالے تھے جرّاحی کے وہ قرینے — کہ جن سے کیا استفادہ سبھی نے

دھنتّر سے تھے وید ہندوستاں میں
تو سشرت کے شاگرد تھے کل جہاں میں

سخن سنجیاں اور وہ شیوا بیانی — وہ بھارت کے کویوں کی شیریں بیانی
عروض اور انشا کے ہیں جو کہ بانی — اثر میں ہے ڈوبی ہوئی جن کی بانی

قلم میں تھا سحر اور جادو زباں میں
اثر کی بھری بجلیاں تھیں بیاں میں

کوئی بات اُنھوں نے جو منہ سے نکالی — تو ست سے بھری اور اسَت سے تھی خالی
جبھی تو دلوں میں تھی کھب جانیوالی — تھیں جذب دروں کی ادائیں نرالی

اثر میں تھے ڈوبی ہوئی بات کرتے
ہو کچھ سود جس سے وہی بات کرتے

جو ایجاد رشیوں نے کی ناد وِدّیا — تعلق نہ تھا نفس سے اس کا اصلا
وہ تقسیم لَے کی سُروں کا وہ نقشا — ہے اب اسکو حیران سنکر زمانا

جو تھا راگ صحبت میں آنند داتا
تو خلوت میں تھا شبد انہد سناتا

ملی راگ کو ہند میں وہ فضیلت — تھی جوگی کی ہم پلّہ نایک کی وقعت
وہ جذب اور اثر اس میں تھا درحقیقت — عناصر پہ تھی نایکوں کی حکومت
نہ تھے بس ہنسا اور رُلا دینے والے
وہ تھے دھن خدا سے لگا دینے والے

علم با عمل

یہاں جو کہ عالم تھا وہ با عمل تھا — عقیدوں میں اسکے نہ ضعف و خلل تھا
عمل قول پر سب کا یہاں بیدغل تھا — نہ تھا کھوٹ دل میں نہ نیت میں بل تھا
جو کہتے تھے کر کے بھی تھے وہ دکھاتے
نہ تھے وہم کے ڈھائی چاول پکاتے

رشیوں کی عظمت

وہ رشیوں کا رعب اور عالم کی وقعت — سلاطین بھی جن کی کرتے تھے عزت
وہ تعظیم و تکریم وہ انکی عظمت — سمجھتے تھے فرض انکی راجے اطاعت
سبھا میں جو اک دم بھی تشریف لاتے
تو سب راج کے عقدے حل کر کے جاتے

برہمن

وہ تحصیل علمی کے شایق برہمن — وہ حلّالِ سرّ و دقایق برہمن
وہ ثقافت رمزِ حقایق برہمن — وہ استاد جملہ خلایق برہمن
انھوں نے جہالت کا کھویا اندھیرا
اٹھایا جہاں سے ضلالت کا ڈیرا

ویراگ

وہ صبر و توکل وہ زہد اور طاعت — وہ سوزِ دروں اور وہ حسنِ عقیدت
لگن معرفت کی وہ بھگتی کی لذت — وہ حبِّ وطن اور وہ قومی خدمت
وہ ویراگ تھا نور افگن دلوں میں
کہ گھر چھوڑ جا بیٹھتے جنگلوں میں

مگر اس طرح جیسے اک کنبہ پرور — کمائی کی خاطر چلے گھر سے باہر
کما کر وہ پردیس میں مال اور زر — پھر آتا ہے گھر میں وہ زردار بنکر

وہ اس طرح جو حق اسرار کرتے
زمانہ پہ تھے اُس کا ایثار کرتے

صوفی بھگت

دلوں میں تھا نورِ خدا جلوہ افگن — ضمیر ان کے تھے نورِ ایماں سے روشن
دماغ ان کے تھے یادِ حق سے مزین — تھے گورکھ سے جوگی بھگت مثلِ پورن

پرانوں سے تذکورِ پہلاد سنئیے
شدا ماں سے بھگتوں کی روداد سنئیے

صفا روح کی پائی وہ صوفیوں نے — وہ کی تربیت نفس کی جوگیوں نے
دقائق کئے حل وہ روحانیوں نے — لیا مادہ کو وہ جیت آریوں نے

کہ معلوم ہوتا ہے اب وہ فسانہ
طلسمی ٹھہرتا ہے سب کارخانہ

راسخ عقیدت

وہ راسخ عقیدت تھی دلمیں سمائی — دلوں میں تھی وہ دھرم نے لو لگائی
کہ سو جان سے تھے دینِ حق کے فدائی — نہ بیدیں ہوئے گرچہ جاں پر بن آئی

نویں بادشاہ اور دسویں گرو کی
وہ قربانیاں دھرم کی یاد ہوں گی

وہ گنگا کے دریاؤں کی ہے جو رانی — کہ تاثیر میں جس کا امرت ہے پانی
ہوئی اُس سے سیراب کشتِ معانی — ملی اُس سے نہرِ حِکَم کو روانی

رشی اور منی تھے وہاں پاس کرتے
کناروں پہ تھے اُسکے سنیاس کرتے

وہ جمنا کہ جس کا مقدس ہے پانی — پُرانوں نے جسکی ہے مہما بکھانی
بہتی وہ مہبطِ جلوۂ آسمانی — وہاں پانی بھگتی نے رلیشہ دوانی
نہیں بر ج گر معدنِ عشق و بھگتی
تو پھر کیا ہے تاریخ میں اُسکی ہستی

ہوئے فرد بھگتی میں گر بر جیا شی — تو تھے معرفت کے کفیل اہلِ کاشی
ملائک صفت تھے وہاں کے نواشی — وہاں کے تھے باشندے بیکنٹھ باشی
جو خطّوں میں تھا خطّۂ برج اعلیٰ
تو شہروں میں کاشی کا تھا بول بالا

یہاں اہلِ سیف ایسے اور سورما تھے — تھا فتح و ظفر کا مکٹ انکے ماتھے
وہ فتاحِ دوراں و مشکلکشا تھے — قلمرو میں اُن کی ختن اور خطا تھے
غضب کی جہاں ان کے تلوار چمکی
کسی کو نہ مہلت ملی ایک دم کی

لڑا اک ہزاروں سے ایسا تہوّر — نہ بڑھکر ہٹے پیچھے ایسے بہادر
اصول اُن کو تھے جنگ کے یاد اور گُر — برابر تھے میداں میں انکو سُر اسُر
اگر رام و ارجن کو گذرے زمانے
تو تازہ ہیں میواڑ کے کارنامے

دمِ جنگ تھی تیغ کی وہ روانی — جگر جس سے شیروں کے تھے پانی پانی
وہ برقِ فنا تھی پئے زندگانی — اماں جس سے دشوار تھی بچکے پانی
شجاعت کے جوہر جو پہچانتے تھے
وہ لوہا اُسی تیغ کا مانتے تھے

جمنا جی

بنارس

اہلِ سیف چھتری

ان لوگوں کی شمشیرزنی

اخلاقِ جنگ

وہ جب میان سے نکلی بھر کر طرارے — تو دھندلا گئے برق کے بھی شرارے
نظر آئے چشم عدو میں ستارے — بس اک وار میں سینکڑوں سر اُتارے
چڑھا باڑھ پر جو عدم کو سدھارا
جو منہ پر چڑھا بس اُسے گھاٹ اُتارا

وہ شامت سی سر پر غنیموں کے آئی — نہ فرصت جنھوں نے سنبھلنے کی پائی
دکھائی وہ میداں میں ان کے صفائی — پنہا گروہ ژنّار لاکھوں کو آئی
کیا ایسا چو رنگ۔ تسمہ نہ رکھا
نہ پانی بھی مانگا۔ مزا جس نے چکھا

اماں گرز سے بھیم کے کس نے پائی — تو تیروں سے ارجن کے کس کی رہائی
ہمیر اور رتّا کی وہ سور مائی — وہ پرتاپ و باپا کی تیغ آزمائی
غنیم اُن کے ناموں سے تھے خوف کھاتے
عدو ہول سے ان کے تھے کپکپاتے

نہ پہلے کبھی داؤ اپنا چلایا — سپر کے نہ گھونگٹ میں منہ کو چھپایا
سدا وار دشمن کا سینہ پہ کھایا — نہ گرتے ہوئے پر کبھی ہاتھ اُٹھایا
اماں جس نے مانگی وہیں اس نے پائی
ہوئی صلح جس وقت دشمن تھا بھائی

نہ لشکر کشی آڑ میں دھرم کی تھی — لئے ملک تو از رہِ راج نیتی
صلیبی لڑائی۔ نہ جنگِ جہادی — اصولوں میں اپنے نہ جا اس نے پائی
نہ محکوم و حاکم میں تھے فرق کرتے
ترقی پہ مفتوح ملکوں کی مرتے

آریوں کی فتوحات اور ملک گیری

اُٹھے ملک گیری کو جب یہ دلاور — تو جبروت سے کانپ اٹھا شاہِ خاور
رُندے سُم میں گھوڑوں کے تھے ہفت کشور — بھگائے اکیلوں نے لشکر کے لشکر
چمک اُن کے کھانڈوں کی برقِ فنا تھی
اَنی اُن کے بھالوں کی مُبرمِ قضا تھی

مُسخّر زمانے کو کر لانے والے — تسلط وہ ملکوں میں بٹھلانے والے
علم اپنا عالم پہ لہرانے والے — وہ سکّہ زمانے میں چلوانے والے
رگھو بنسی اور چندر بنسی تھے راجے
بجے جن کی شاہی کے عالم کے باجے

وہ سلطان جو سچ مچ تھے ظلِّ الٰہی — ایس امن کا جن کا تھا ہر سپاہی
دلوں میں بچھا جن کا تھا تختِ شاہی — پڑا جن کا شہرہ زمہ تا بماہی
جہاں میں بجا اُن کی شاہی کا ڈنکا
تھی ادنیٰ سی بات انکو تسخیر لنکا

کنیز ایک تھی ان کی فتح اور نصرت — ظفر کو جلو سے ملی ان کی زینت
بٹھاتے تھے بحر اور بر پر حکومت — ارادے بلند اور عالی تھی ہمت
پہاڑوں کو اک پل میں وہ کاٹ ڈالیں
سمندر کو اک دم میں وہ پاٹ ڈالیں

مسخّر چندر گپت کا اک جہاں تھا — اسوک اور بکرم کا سکّہ رواں تھا
جہاں ایک زیرنگیں بے گماں تھا — نہ راج ان کا صرف ایک ہندوستاں تھا
دبے شہر ریتے میں اب کھنڈر ہے ہیں
ہزاروں برس سے جہاں کھنڈر رہے ہیں

اٹک کا نہ اڑکا وتھا آشکارا
انھوں نے تھا بحر اور بر چھان مارا

جو لنکا حکومت کا تھا اک کنارا
اودھر امیریکہ تھا نا کا ہمارا

تو آبادیاں مصر و یونان میں تھیں
تھے اکناف عالم میں پھیلے گستریں

بنائے جہاز اور کھنگالے سمندر
تسلّط کیا جا کے جاوا کے اوپر

چھپی تھی نئی دنیا ان سے نہ بربر
تھا میکسیکو پیرو۔ میں نام اُنکا ازبر

یہ ہے کیا ختن۔ بلخ و تاتار سارا
تھا ر و تدا ہوا ان کا ستسار سارا

سند چاہو تو سوُ یہ سِدھانت دیکھو
پرانوں سے ایتہاس سے مشورہ لو

دفاتر کو بھارت کے گرد دیکھ بھالو
تو ممکن نہیں تم نہ یہ بات مانو

جسے لوگ کہتے ہیں انٹی پوڈیز اب
اُسے دیس کہتے تھے پاتال کا جب

گھٹا کانٹ سے گنگا کے اک ایسی اٹھی
کہ جو مثلِ آکاس ہر سمت پھیلی

زمیں جس نے از شرق تا غرب گھیر گی
جو یونان پہ چھائی تو پیرو پہ اڈی

وہ بارانِ رحمت ہوا اس سے نازل
مہذب بنے جس سے وحشی و جاہل

وہ یوناں کہ استاد یورپ کا اب ہے
تلمذ کا جس کی کنوڈا عرب ہے

دیا جس نے مغرب کو علم و ادب ہے
خبر ہے کہ کون اس کا جدّاد اب ہے

دیا فلسفہ جا کے یوناں کو کس نے
کیا آدمی نسلِ انساں کو کس نے

مصر و یونان میں آریوں کی آمد و آبادیاں

پتہ ہے یہ تاریخ پیشیں سے چلتا — کہ یونان اک ملک تھا وحشیوں کا
نہ پھیلا تھا واں علم و حکمت کا پرچا — تھا شائستگی سے سراسر مُعَرّا

یکایک ہوا آریوں کا گزر واں
شجر لائے قدرت کے برگ و ثمر واں[1]

سکھایا انھیں فلسفہ اور حکمت — علومِ ریاضی، نجوم اور ہیئت
دیا پاک دھرم ان کو اور نیک ملّت — کیا ان کو آگاہِ رازِ حقیقت

وہ پھیلاؤ کی اپنے راہیں نکالیں
نو آبادیاں جا کے یوناں میں ڈالیں[2]

پتا تھا نہ جب خاک کلدانیوں کا — سنا بھی نہ تھا نام سامانیوں کا
دیا جب تھا روشن تھا مصرانیوں کا — جہاں میں نہ تھا ذکر ایرانیوں کا

ہے قولِ ستادیدۂ استادِ عالم
تھے اُس وقت ہند وہی استادِ عالم

عرب کی تواریخ میں کیا ہے ہستی — ہے کل زندگی جس کی تیرہ صدی کی
تراجم پہ یوناں کے ہی جس کی شیخی — تراجم ہیں جس کے تفاخر کی پونجی

جو اس پر بھی لے وہ خلیقہ گری کی
مثل راست ہے اس پہ کے آدمی[3] کی

جو سچّا ہو قومی تبختر بجا ہے — بڑوں کو بڑا اپنے کہنا بھلا ہے
جو ہے واقعی فخر شک اُس میں کیا ہے — مگر حد سے اپنی گزرنا بُرا ہے

نہیں چاند پر تھوکنا یہ تو ہے کیا؟
کہ تھا ہند اک خوشہ چیں اس عرب[4] کا

رسالت نے جو کچھ عرب کو دیا ہے　　جو اسلام سے اس نے حاصل کیا ہے
اُسے کوئی جتنا سراہے بجا ہے　　یہ الزام دھرنا تو لیکن بُرا ہے

کہ تلمیذ تھے ہند و چیں عرب کے
عرب والے اُستاد و مرشد تھے سب کے

نہ یہ امر مشکوک ہے اور نہ مبہم　　صداقت یہ تاریخ سے ہے مُسلّم
کہ ہو جیسے مجروح جویائے مرہم　　یہ تھا علم پرواں توجّہ کا عالم

حریم خلافت میں اونٹوں پہ لد کر
"چلے آتے تھے مصر و یوناں کے دفتر

وہ تارے جو تھے شرق میں لمعہ افگن　　پہ تھا انکی کرنوں سے تا غرب روشن
نوشتوں سے ہیں جن کے ابتک مُزیّن　　کتب خانۂ پیرس و روم و لندن

"پڑا غلغلہ جن کا تھا کشوروں میں
وہ سوتے ہیں بغداد کے مقبروں[24] میں"

فضول اب ہے اس امر سے بحث کرنا　　کہ ثابت ہے ہر طرح پر مطلب اپنا
جو یونان استادِ اہلِ عرب تھا　　تو یونان تھا شاگرد ہندوستاں کا

عرب۔ آریہ ورت میں جو ہے نسبت
رہی اسکی تشریح کی اب نہ حاجت

وہ تھا گرم بازارِ حرفت صناعت　　کھچی آتی دوروں سے ملکوں کی دولت
ہوا جرِّ انقال و فنِّ تجارت　　زمانے میں مشہور اپنی بدولت

وہ کمخواب و زربفت ہم نے بنائے
کہ تاریخ میں تذکرے جسکی آئے

صنعت و حرفت

تجارت

تھا بیوپار ہر ملک سے اپنا جاری — سدا آتے اور جاتے رہتے بیپاری
تجارت تھی ہاتھوں میں اپنے ہی ساری — تھی محسود عالم کی دولت ہماری
تھی وہ صنعتوں میں ہماری صفائی
کہ وارفتہ جس کی ہوئی کل خدائی

فرات اور دجلہ کا سنگم جہاں ہے — کہ جن سے ہرا شام کا بوستاں ہے
وہ اک شہر بصرہ کا بستا جہاں ہے — عمر جس کا بانیِ ذی عزّ و شاں ہے
غرض اس کی تعمیر کی بس یہی تھی
بنے انڈیا کی تجارت کی منڈی

وہ ہند اب خدا جس کا ہے مانچسٹر — بنا جس کا ستّار ہے لنکاشائر
ہے ان داتا اب جس کا ریلی برادر — کرانہ ہی جس کا نہ ہے اپ ساور
کبھی تھا وہ رزّاق ہر انس و جاں کا
کبھی تھا وہ ستّار سارے جہاں کا

عورت کی حقیقت

وہ جنسِ بشر جوہرِ نوعِ انساں — ہے جس پر کہ حصر ترقیِ دوراں
جو ہے جوہر روح اور عشق کی جاں — جو ہے زبدۂ قدرت و نورِ ایماں
وہ نیچر کی لختِ جگر یعنی عورت
وہ مایا کی نورِ بصر یعنی عورت

وہ حسِ لطیفہ کو اکسانے والی — حقیقت کے پردے کو سرکانیوالی
محبت کے شعلے کو بھڑکانیوالی — ہوئی جس سے قدرت جلا پانیوالی
صفا شیشۂ روح نے جس سے پائی
تجلّی سراپردۂ دل میں آئی

سہاگ اسکو قدرت کا کہنا بجا ہے — وہی ماحصل خلقت دہر کا ہے
اسی کا یہ سب نور پھیلا ہوا ہے — اسی پر سے یہ دنیا کا گھر بس رہا ہے

وہ نصف انگ پرماتما کا وہ شکتی
کسی سے صفت ہو نہیں جسکی سکتی

یہاں اس کی وہ قدر اور منزلت تھی — پتا کی تھی ٹیک اور پتی کی وہ پت تھی
نہ کچھ مرد سے اسکی کم حیثیت تھی — وہ ملکہ تھی۔ گھر اس کا اک سلطنت تھی

چرن اس کے آتے ہوا گھر اجالا
مہالکشمی کا ہوا بول بالا

حقوق اختیارات کا ذکر کیا ہے — کہ اردھانگی اسکو کتب میں لکھا ہے
لقب دھرم پتنی کا اس کو دیا ہے — مقام اس کا دل کے برابر رکھا ہے

ہون میں یگوں میں ہم آواز تھی وہ
تو پاٹھ اور پوجا میں دمساز تھی وہ

تعلق زن و شوہر میں تھا آتما کا — نہ تھا کام کچھ نفس حرص انتما کا
یہی تھا اصول اس کتاب خدا کا — نہیں دخل کچھ اس میں مدح و ثنا کا

نہیں ہے کچھ اس میں مہذب تملق
نہیں چاپلوسی کا اس سے تعلق

ازدواج

وہ نازک ترین اور مضبوط رشتا — زمانے میں ہے زوجیت نام جس کا
یہ تدوین کا اسکی تھا یاں طریقا — کہ حیران ہے جس کو سنکر زمانا

نہ ہوتے تھے اس طرح ناطے ہمارے
سوئمبر سے ہوتے تھے یاں بیاہ سارے

بلوغ اور تعلیم و صحت کی شرطیں — پسندِ بہم اور شرافت کی شرطیں
وہ تحصیلِ علم اور فراغت کی شرطیں — وہ اخلاق اور حسنِ صورت کی شرطیں
یہ شرطیں تھیں شرطِ نکاحی ہماری
بھلائے ہوئے جن کو ہے قوم ساری

نہ تھے بیاہ کے ایسے بھدے طریقے — کہ ہنستے ہیں وحشی بھی اب جنکو سنکے
نہ تھے گڈے گڑیوں کے یاں بیاہ ہوتے — نہ دادا کے پوتی سے ہوتے تھے رشتے
تفاوت جو عمروں میں تھا نسبتی تھا
جو درجہ میں تھا فرق تو قدرتی تھا

بیوہ

پھٹی جاتی ہے جسکی آہوں سے چھاتی — نہ غمخوار جس کا نہ کوئی سنگاتی
جو ہے رات دن درد سے تلملاتی — تڑپتی ہے جو دکھ سے اور بلبلاتی
گنہگار وہ سات پھیروں کی بیوہ
نہ تھا ظلم کا اس پہ بھارت میں شیوہ

اگر صبر کی سل وہ چھاتی پہ دھر لے — تو اپنا چلن برہم چارن کا کر لے
اجازت تھی گر گرہست کی راہ کر لے — تو پہلو میں وہ دوسرا اپنے بر لے
جواز اس کا ہے صاف شرتی سے ملتا
تواریخ سے اور سمرتی سے ملتا

تعلیم نسواں

پسر اور دختر کو یکساں پڑھاتے — نہ یوں لڑکیوں کو تھے جاہل بناتے
جنیو تھے ان کو برابر پہناتے — دِوِج ان کو اپنی طرح سے بناتے
سمجھتے تھے صورت اُسے سُرستی کی
ہزاروں تھیں یہاں گارگی میتری سی

ذاتوں کی تفریق

یہ شدرانی کی گت یہ لونڈی کی حالت — یہ جنس شریفہ کی اسدرجہ ذلت
جو عورت کی اب دیکھتے ہو حقارت — یہ مطعون عالم زنانی جہالت

یہ پچھلے زمانے کی سب بدعتیں ہیں
تنزل کے وقتوں کی یہ صورتیں ہیں

نہ اگلا سا بھارت میں تھا کاسٹ سسٹم — نہ ذاتوں کی تقسیم و تفریق باہم
نہ یہ ذات پات آج جس کا ہے ماتم — کہ جس کی بدولت ہوئے خوار سب ہم

یہ ہیں صرف چند ایک صدیوں کی باتیں
پرانے زمانے میں تھیں کب یہ ذاتیں

سلوکس جو تھا جانشین سکندر — سکندر سے شوکت نہ تھی جس کی کمتر
چندر گپت سے جنگ میں ہار کھا کر — ہوا یا نئے رسم الفت مکرّر

ملی زوجیت سے اسے استواری
دلہن روشناسِ مگدھ میں پدھاری[29]

مہارانا پاپا کا نام گرامی — زمانے میں مشہور ملکوں میں نامی
بنے صاحبِ تاج جس کے سلامی — ہے میواڑ کو جس سے عالی مقامی

تواریخ کے یہ بتاتے ہیں دفتر
مہارانی اسکی تھی کسریٰ کی دختر

گئی جب بگڑ برن کی یہ بیوستھا — تو بگڑا ہر اک زندگی کا طریقا
جو تھا پہلے صرف اک لقب اور درجا — بنا بیج وہ قوم کی ابتری کا

بنے اتنے فرقے یہ جب قوم بگڑی
یہ تفریقیں پھیلیں کہ سب قوم بگڑی

جو درس اور تدریس کا کام کرتا ۔ جو تحقیق علمی کا ہوتا تھا شیدا
جو کر دیتا وقف آپ کو علمِ دیں کا ۔ برہم وِدّیا کا پڑا جس کو چس کا
برہمن اُسے لوگ کہتے تھے سارے
یہی تھے یہاں سب کی آنکھوں کے تارے

جو ملکی تحفظ کا تھے کام لیتے ۔ جو تیغ اور تیر و کماں تھام لیتے
جو سر پر حکومت کے آلام لیتے ۔ جو تھے راج اور تاج کا نام لیتے
لقب چھتریوں کا اُنہی کیلئے تھا
کہ تھے ملک اور قوم کے چھتر چھایا

اصول انکی تہذیب کے تھے نرالے ۔ سر رشتے تھے سب زندگی کے سنبھالے
وہ سوشل تمدن کے آئین ڈالے ۔ وہ وَرن آشرم کے تھے رستے نکالے
یہی تھی جو تقسیم تھی ہندوؤں میں
ترقی ہوئی جس سے اگلے جگوں میں

جہازی سفر ہند سے جا بجا تھے ۔ گئے آج جاوا ۔ تو کل کوریا تھے
تو ہم میں ہرگز نہ ہم مبتلا تھے ۔ تعصب کا ٹیکا نہ تھا اپنے ماتھے
کھلی ہم پہ تھیں سارے عالم کی راہیں
فراخ اور عالی تھیں اپنی نگاہیں

سبق یہ ملا تھا کتابِ خدا کا ۔ یہی حکم تھا مالکِ دوسرا کا
سب انسان کنبہ ہیں پرماتما کا ۔ نہ تھا بھید کچھ آتما ۔ آتما کا
خدا سے جدا ہم نہ سمجھے خدائی
ہر انسان کو ہم سمجھتے تھے بھائی

نہ یہ غیرت اور آپس کی نفرت — نہ یہ چھوت چھات اور ظاہر کی ملّت
نہ ظاہر پرستی نہ ضعفِ عقیدت — بزرگوں کی اپنے نہیں تھی یہ حالت
یہ ہندو دھرم تھا نہ کچا سا دھاگا
کسی نے چھوا اور وہ ٹوٹ بھاگا

پارسیوں کو پناہ

جب ایران کا آ کے ڈوبا ستارا — ہوا جب کہ اسلام کا واں اُتارا
تو اقوام زرتشت و اولاد دارا — جنہیں جاں سے اپنا مذہب تھا پیارا
وطن ترک کر آ رہے ورت آئی
اماں ہند میں حسبِ دل خواہ پائی

نہ رخ ہم نے بیگانگت کا دکھایا — نہ سمجھے ملیچھ ان کو ہم اور پرایا
وطن کا غم ان کے دلوں سے بھلایا — جگہ دی اُنہیں گھر میں مہماں بنایا
نظیر اسکی کوئی جہاں میں نکالے
کہ اک قوم یوں دوسری کو بچالے

اشاعت تہذیب

قدم اپنے جب ملک کی حد پہ جاتے — دیا علم کا ہم وہاں تھے جلاتے
تھے جہاں کو علم اور فن سکھاتے — ہم انسان تھے وحشیوں کو بناتے
نہ ہم روندتے تھے حقوق آدمی کے
نہ کرتے تھے در بند آزادگی کے

ہندو راجے

جو راجے یہاں کے تھے دھرماتما تھے — نہ ظالم تھے وہ گرچہ جنگ آزما تھے
جہاندار سچ مچ وہ ظلِ خدا تھے — خلائق کی بہبود پر وہ فدا تھے
بہت تھے یہاں بکرم اور اکشوا کو
نہ تھا کوئی ضحاک یاں اور ہلاکو

بہت چکرورتی مہاراجے یہاں کے — بہت صاحبِ تاج ہندوستاں کے
قلمرو میں تھے جنکی خطے جہاں کے — وہ تھے دل سے بندے شہِ لامکاں کے

نہ تاج و نگیں ان کا سر پھیرتا تھا
نہ نخوت کا شیطاں انھیں گھیرتا تھا

نہ فرعون بنتے مکٹ سر پہ رکھ کر — پھراتے نہ سر ان کا تاج اور افسر
جو تھے صاحبِ تاج و سالارِ لشکر — تو تھے معرفت کے سمندر کے گوہر

جنک اور گوتم سے راجے بہت تھے
یُدھشٹر- پریچھت سے شاہی بھگت تھے

وہ اندرپرست اب جو دلی بنا ہے — تواریخ میں جس کی ممتاز جا ہے
جسے وقرِ چشمِ جہاں میں بڑا ہے — جو سچ پوچھو وہ قبلۂ ایشیا ہے

کبھی مرجعِ خاص و عامِ جہاں تھا
حکومت کا سکّہ یہیں سے رواں تھا

رگھوونشیوں کی بڑی راجدھانی — گرا جس کے قدموں پہ سرجو کا پانی
تھی اس راج کی مرکزِ حکمرانی — کہ ماتحت تھے جس کے قاصی و دانی

پھریرا جو برجوں پہ اسکے اڑا تھا
جہاں اس نے سایہ میں اپنے لیا تھا

بتائیں تمہیں کیا بزرگ اپنے کیا تھے — وہ کیسے جواں مرد اور سورما تھے
وہ سچے تھے عالم تھے اور بے ریا تھے — وہ دنیا کے استاد اور رہنما تھے

اگر شک ہو دل میں تو تحقیق کر لو
شہادت سے غیروں کی تصدیق کر لو

بتاؤں تجھے اے صدی بیسویں کیا | اگلتی رہی لعل یہ سرزمیں کیا
شُہرت تجھ کو تاریخ کی کچھ نہیں کیا | نظیر اس کی ہے وہ دکھاتی کہیں کیا
تجاہل کرے کوئی کیا عارفانہ
کہ قائل ہے اس بات کا کل زمانہ

تکمیلِ ارتقا

جب اس حد پہ پہنچا کمال ارتقا کا | تکمیل ہوا کام جب آتما کا
کمال اسکو جب مل چکا انتہا کا | تو گھٹنے لگا بڑھ کے بدر۔ انڈیا کا
نہ جا جب کہ باقی رہی ارتقا کی
تو معکوس رفتار نیچر نے پکڑی

انحطاط و زوال

کیا دل میں ابھیمان نے پہلے رستہ | پھر اسباب اور آملے رفتہ رفتہ
ہوئے رشتے آپس کے سارے گسستہ | چلا پھوٹ کا داتو ایسا دو دستہ
پریشاں ہوئی سربسر قوم ساری
بنی گت۔ جواب دیکھتے ہو ہماری

تنزل سا ہے یہ تنزل خدایا ! | کہ جس نے سنا اشکِ خونیں بہایا
جہاں نے کسی کو نہ اتنا گرایا | کسی کا نہ یوں حال ابتر بنایا
و تیرہ کچھ ایسا ہے لوگوں کا بگڑا
کہ آپس میں ہے اکثر اکثر جھگڑا

اتفاق کا ضروری ہونا

وہ اعزازِ قومی کی اول نشانی | جو دنیا میں ہے باعثِ کامرانی
ہے داناؤں نے جسکی مہما بکھانی | جو قوموں کی ہے مایۂ زندگانی
کہ ہے اتفاق اس کا اسم مبارک
ہمارا ہے بچتا ہوا اس سے مسلک

زوال کی نشانیاں

چلن اپنے ہیں سر بسر وحشیانہ فسادوں میں کٹتا ہے اپنا زمانہ
ہر اک خانہ جنگی میں طاق اور یگانہ نفاقوں کا سر گرم ہے کارخانہ

ہیں مصروفِ کار اور فرقے یہاں کے
نرالے ہیں ہندو مگر دو جہاں سے

نہ آپس میں الفت نہ باہم مودّت نہ پاسِ سخن اور نہ محکم ارادت
نہ کردار و اطوار میں استقامت نہ جوشِ اخوّت نہ قومی حمیت

نہ دُھن دھرم کی اور نہ جوشِ ترقی
نشانی یہ کلجگ کی ہے ہندوؤں کی

آجکل کے علمائے دین

جو باقی یہاں اپنے علمائے دیں ہیں جنہیں حفظِ اوراقِ متقدمیں ہیں
نہ آتے کہیں اور نہ جاتے کہیں ہیں کسی سے مزاج انکے ملتے نہیں ہیں

نہ جو حسبِ دستورِ سابق پڑھا ہو
کریں بات اس سے تو قہرِ خدا ہو

کبھی گر مبارک لبوں کو ہلاتا کسی مسئلہ پر اگر کچھ بتاتا
تو اک بات اور سو حوالے سناتا رگیں تانتا مفت اور سر پھراتا

سمجھ میں نہ آئے وہ تحریر کرنی
جو جی کو جلائے وہ تقریر کرنی

دلائل جو مانگو تو سن لو حوالے جو تشریح چاہو تو کھولیں رسالے
ہے رشیوں کے یاد انکو از بر مقالے ہیں منطق کے ڈھنگ انکے سب سے نرالے

وہ اک کام کی بھی نہیں بات کرتے
نہ بھولے سے بھی دلنشیں بات کرتے

براہین عقلی سے ہے ان کو نفرت — مقالات علمی سے ہے انکو نفرت
تغیرّ ترقی سے ہے ان کو نفرت — سوالات علمی سے ہے انکو نفرت

مؤثر نہیں ان پہ علمی مسائل
مؤکد نہیں ان پہ عقلی دلائل

ہے مفروض ذہنی پہ کل بحث انکی — ہے تخیّل وہمی پہ کل بحث انکی
ہے تشخیصِ ذاتی پہ کل بحث انکی — ہے زعمِ بزرگی پہ کل بحث انکی

نہ جمتے ہیں معقول و منقول پر وہ
اڑے رہتے ہیں وہمِ مجہول پر وہ

نئی روشنی کے وہ از بس ہیں شاکی — عداوت ہے سائنس سے کس بلا کی
طبیعات پر ہے بڑی قہرناکی — ہے یورپ کی حکمت پہ لعنت خدا کی

بھلا اُن سے کوئی ذرا یہ تو پوچھے
کہ نکلے ہیں یہ علم اور فن کہاں سے

یہی مادرِ ہند جس کے شکم سے — تم ایسے سپوت آج اخلاف نکلے
جنی ہے بہت قرۃ العین ایسے — لگے چار چاند اُسکو جنکے قدم سے

وہی ہیں حقیقت میں ان سب کے بانی
جنہیں آپ کہتے ہیں چنڈال بانی

کتاب مقدس یہ تھا جس کا عالم — کہ تھا مشتبہ اس میں مضموں نہ مبہم
نکلتی ہیں اب اس میں ضدّات باہم — کھلوتا ہے وہ پنڈتوں کا مجسّم

جہاں سے وہ اگنی کا کھنڈن ہیں کرتے
وہیں سے اسی کا وہ منڈن ہیں کرتے

نئی روشنی سے نفرت

ویدوں سے نفرت

کتاب ایک تفسیر کو جو اُٹھالیں   مطالب نئے سے نئے گھڑ نکالیں
جو پورب کی ہو بات پچھم میں ڈالیں   اُدھر چل پڑیں بس جدھر منہ اُٹھالیں

گرنتھوں کا اس طرح ہیں بھاش کرتے
کہ مضمونِ اصلی کا ہیں ناش کرتے

زمانے میں جو آج ویدانتی ہیں   جنہیں باتیں شنکر کی ازبر پڑی ہیں
جو اکتائی پر جیو اور برہم کی ہیں   زباں اور قلم کے بڑے جودہنی ہیں

کرو پیش جب انکے عملی مسائل
تو یہ تم کہوگے وہ مطلق ہیں جاہل

فضیلت سے بس اُن کی یہ ہاتھ آیا   یہی قوم نے علم سے ان کے پایا
کہ سر پر سے بارِ فرایض گرایا   جُدا اپنا عالم سے ہے راگ گایا

نہیں علم اُن کا مطابق عمل کے
وہ ہیں قوم کے اپنی ممبر نکمّے

بہت ہیں جو ویراگ کا دم ہیں بھرتے   ہیں خلقِ خدا کو وہ گمراہ کرتے
ہے اپنا تو یہ حال زر پر ہیں مرتے   نہیں اک قدم دکشنا بن وہ دھرتے

مگر اہلِ دنیا کو وعظ آپ کا ہے
کہ گرہست میں لپت رہنا بُرا ہے

یہ ویراگ کھڑاگ ہے کیا بلا ہے   کوئی ان سے پوچھے کہاں یہ لکھا ہے
یہ ارشاد ہاں کس پرمہنس کا ہے   بیبیک اور ویراگ کا جو خدا ہے

وہ کہتا ہے فرضوں سے جو ہٹ گیا ہو
اُسے خاک ویراگ سے واسطا ہو

نمو ادھاری سنیاسی

سری کرشن نے صاف فرما دیا ہے
جو فرضوں سے قوم اور گھر کے ہٹا ہے

فرائض سے دنیا کے جو بھاگتا ہے
نہیں آریا ہے وہ اَن آریا ہے

رہے رہ کے دُنیا میں دُنیا سے وکھا
کنول جیسے پانی میں ہکر ہے سوکھا

بہت کر کے ہپ پہلے تین آشرم کو
بھلا کر دلوں سے دھرم کے نیم کو

پٹک سر سے فرضوں کے بارِ اہم کو
غرض چھوڑ کر آریا کے دھرم کو

ہیں سنیاس کا نام بدنام کرتے
نہیں پرتیاں من کی قابو میں جنکے

نقلی بھگت

بہت معرفت پیشہ اہل الرّیا ہیں
کہ جو جَو فروش اور گندم نما ہیں

اگر بھیک دیکھو بڑے اولیا ہیں
جو دل دیکھو پابند حرص و ہوا ہیں

یہاں ظاہر آبا د ایسے بہت ہیں
ہزاروں یہاں ایسے لگا بھگت ہیں

سادھو۔ سنت

تھا اِک وقت جب قوم کا ایک حصّہ
تھا کسبِ معیشت کے غم سے مُعرّا

مگر خدمتِ قوم تھا کام جس کا
دماغ اس کا تھا وقفِ بہبودِ دنیا

شہِ اغنیا وہ رکھیشر ہی تھے
عزیزِ خدا وہ مُنیشر ہی تھے

مگر اب جو سنت اپنے اور اولیا ہیں
اگر بندۂ زر نہیں ہیں۔ تو کیا ہیں؟

پُر برکت اور ظاہر میں مردِ خدا ہیں
مگر نفس کی لذّتوں پر فدا ہیں

وہ چیلوں کے جب مٹّھ ڈھنے کو ہیں چلتے
تو ہاتھی جلو میں ہیں ان کی نکلتے

فقیری ہے یہ یا ریاست ہے کوئی
گدائی ہے یا پادشاہت ہے کوئی
اگر قوم پر آئی آفت ہے کوئی
وبا۔ قحط ہے یا مصیبت ہے کوئی

تو کیا ان کو سب چھوڑ بیٹھے ہیں وہ تو
زمانے سے منہ موڑ بیٹھے ہیں وہ تو

جو اس ذیل سے مرتبے میں ہیں کمتر
فریب اور فن سے کماتے ہیں وہ زر
بٹورے دو ایک چیلے اور سنت ننگر
کرامات کا کھول بیٹھے وہ دفتر

اگر لکھ دیا اس کو اک حُب کا جنتر
تو رٹوا دیا اس کو بیٹے کا منتر

جو پاس انکے ہیں دشمنِ عقل جاتے
وہ دنیا و دیں سے ہیں بس ہاتھ اٹھاتے
کبھی بھنگ کا رنگ ہیں وہ جماتے
چرس کے کبھی دم سے ہیں لو لگاتے

فسوق اور فجور انکو جائز ہیں گویا
کہ دنیا سے چھٹکر ہیں مکتی کے جویا

کئی لاکھ اِن سادھوؤں کا ہے نمبر
کہ پیشہ نہیں کوئی جن کا مقرر
گزر جن کی ہے مانگنے اینٹھنے پر
نہیں قرض کچھ قوم کا جنکے اوپر

مگر اچھے اچھوں سے ہیں وہ مزے میں
کہ ہے جوگیا بھیس انکے گلے میں

رہی عالموں میں نہ باریک بینی
ہوئیں عادتیں انکی ساری کمینی
گئی دم میں وہ عظمتِ قوم چھینی
نہ دنیاوی عظمت رہی اور نہ دینی

بڑے اور چھوٹے کا بگڑا چلن ہے
نہ وہ راستبازی نہ وہ بانکپن ہے

ہنود کی خراب حالت

وہ باغ فصاحت کے بلبل کہاں ہیں بھرے کان نغموں سے جنکے یہاں ہیں
فدا جن پہ گلہائے ہر بوستاں ہیں جو دلسوزی اور دلگدازی کی جان ہیں
وہ سحر آفرینی کے ماہر کدھر ہیں
زباں قوم کی تھے جو شاعر کدھر ہیں

ہوا مدعیوں کو یہ کیب الٰہی کہ لا کر رہے شعر پر بھی تباہی
ادب کی تھی زیبا جنھیں کج کلاہی جو تھے طرّہ و کلغیٔ فرقِ شاہی
نہیں ڈھنگ اب انکے قابل بیاں کے
کہ ننگ خلائق ہیں شاعر یہاں کے

بنتے اور انوکھے ہیں وہ سوانگ لاتے کہیں چھیل سیاں کا ہیں راگ گاتے
کہیں بُور بورا اپنی انگیا کہراتے کہیں اپنی چریوں کو ہیں وہ تڑاتے
چنریا کے سر پر کہیں آفت آئی
مرکتی کہیں ہے وہ نازک کلائی

کہیں ساس سے ہو رہی گالی گفتا کہیں نند کی طعنہ بازی کا جھگڑا
پتی سے کہیں خوب چلتا ہے جوتا ہے جھنا ہمت اک الغرض گھر میں برپا
یہ تحصیل ہے اپنی الشاگری کی
ملی ہم کو تعلیم یہ شاعری کی

گئی پڑ کسی کی جو ترچھی نجریا تو دل میں گئی کھپ برہ کی کٹریا
نہیں کوئی لاوے جو پی کی کھبریا دکھا جا ذرا چھب تو باتکے سنوریا
بھلا اس میں مردانگی کونسی ہے
جو یہ اختیار آپ نے طرز کی ہے

یہی شاعری ہے تو خاک اس پہ ڈالو — اُسے نرک کے کنڈ میں جا کے پھینکو
کچھ آتا نہیں اور تو گھاس کھودو — پر اخلاق تم قوم کے مت بگاڑو

بہو بیٹیوں کا تو ہے ذکر ہی کیا
کوئی آگے چھوٹوں کے یہ کب پڑیگا

ہے بس چھند و ٹھمری پہ میلان انکا — ہے سنگار رس صرف میدان ان کا
ہے بازاری گاین پہ احسان انکا — ہے استاد کوئی تو شیطان ان کا

ہیں سب انکے چیلے ڈیوم اور ڈھاری
ہیں اصنامِ بازاری ان کے پجاری

یہ بھگتوں کا بیوجہ ہے منہ چڑھانا — کہ دل جن کے تھے عشق حق کا خزانا
محبت کا جنکی ہے قایل زمانا — وہ عشقِ حقیقی کا تھا کارخانا

شہاگ ان کا تھا عشق پرماتما کا
طریق ان کا تھا پریم و زہد و صفا کا

یہ طرز اک بھجن کی انھوں نے نکالی — یہ رسم ایک یادِ الٰہی کی ڈالی
سمجھتے تھے وہ حق کو آقا و والی — کنیزانہ تھی ان کی شکل مثالی

پیا اور سجن سے غرض ایشور تھی
لگن بس یہی ان کو شام و سحر تھی

بھجن کے بہانے وہ اس طرح گاتے — نہ وہ محفلوں میں تھے جا کر سناتے
طوایف سے اسکو نہ تھے وہ گواتے — نہ جذباتِ اسفل کو تھے گدگداتے

نہ عشقِ مجازی کو بھڑکاتے تھے وہ
نہ شہوات کی حس کو اُکساتے تھے وہ

دروغ آفرینی میں بیہودہ پن میں — رقابیت کی لے میں برہ کی لگن میں
خرافات بکنے میں جھوٹے سخن میں — غرض وقت کے ضائع کرنیکے فن میں

نہیں اردو و ہندی میں فرق اِک سرِ مُو
مثل اُنکے حق میں ہے "لعنت بہ ہردو"

کہاں سور و تلسی کی اعلیٰ فصاحت — بہاری کی مشکل پسندی بلاغت
دُرافشانی کیشو کی اور وہ سلاست — جہاں میں ہوئی شعر کی اُن سے عزت

گوی یہ تھے بھارت کی کیتائی یہ بھی
یہاں سرستی کی دل آرائی یہ بھی

یہی راگ کی گت انھوں نے بنائی — وہ نفسانی جذبات کی لے بڑھائی
کہ نافر ہوئی اس سے ساری خدائی — انہوں نے اگر کی تو یہ کی کمائی

کہ رشیوں کی اُس منزلت کو گنوا کر
طوائف کی صف میں وہ بیٹھے ہیں آکر

لگے گنگنانے جو وہ تا تا تھیا — زمانہ لگا ان کو کہنے گویا
گئے بن وہ گھر بیٹھے بیجو کے بھیا — لگا ہونے اب تا..تکی کا تہیا

مگر وہ اثر ہو کہاں سے گلے میں
کہ ہیں پابگل نفس کے مرحلے میں

گلے میں ذرا سا بھی کھٹکا اگر ہے — تو گندھرب بن بیٹھنے پر نظر ہے
نہ سنگیت سے ہی اُنہیں کچھ خبر ہے — یہ ان کا ریاض اور مشق اس قدر ہے

طنبورا کہیں اور وہ ہیں کہیں پر
جو وہ تار ہیں تو مقام ان کا مندر

برہمنوں کی حالت

برہمن کہ تھے کل زمانے کے دانا / دھرم جن کا تھا وید پڑھنا پڑھانا
جنہوں نے کہ قدرت کے دفتر کو چھانا / جہالت کا ان کی نہیں اب ٹھکانا
اگر تم کو انفار کی ہو ضرورت
تو آگے ملیں سب کے یہ برہم مورت

نہ خدمت گذاری سے انکار ان کو / نہ بوجھا اُٹھانا ہے کچھ باران کو
نہ جوتا صفا کرنے میں عار ان کو / رذالت سے ہے بس سروکار اُن کو
گریز اُن کو شودروں کی خدمت سے کب ہے
بورچی برہمن کا گویا لقب ہے

نہ ان کو پیٹھن اور پاٹھن سے مطلب / نہ ویدوں سے مطلب نہ درشن سے مطلب
نہ ست جن سے مطلب نہ دُرجن سے مطلب / ہے بس انکو اپنے نمسترن سے مطلب
نہ نیک اور بد کا انھیں کچھ پرکھا
جو آتی ہے ان کو تو بس پیٹ پوجا

کوئی بیفروشی سے دولت کمائے / کما کر جوئے سے کوئی مال لائے
سزا غبن و سرقہ میں گر کوئی پائے / تو ہوں محترز اس سے اپنے پرائے
مگر برہمن دیوتا ہیں کہ اس پر
دیا اور رکھا پاپ ہے ان کی برابر

سر مونہ ہو گائے کے کھر سے چھوٹی / چھوئی ہو کبھی اُسترے سے نہ چوٹی
رسوئی کے باہر نہ کھائی ہو روٹی / غرض چوٹی۔ زنار۔ دھوتی۔ لنگوٹی
گلے میں جو مالا تو ماتھے پہ ٹیکا
نشاں یہ برہمن کی ہے زندگی کا

جو ہیں صاحبِ تاج و اہلِ ریاست — ابھی تک ہے لاکھوں پہ جنکی حکومت
وہ وکٹوریہ اب ہے گھر جس کا جنت — بنی قیصرہ وہ انہی کی بدولت
جو افسوس ہو انکی حالت پہ ہے کم
ہیں معتوبِ سلطاں و مطعونِ عالم

تمدن کی آنکھوں میں اک خار ہیں وہ — نکما خلائق کے سر بار ہیں وہ
مدبر ہی ہیں اور نہ ہشیار ہیں وہ — اب اس شان کے بس سزاوار ہیں وہ
کہ شاہنشہی جب ہو دربار برپا
تو بن کر وہ آ بیٹھیں سونے کی چڑیا

بھلا عیش میں انکو کب یہ خبر ہے — کہ ہوتی کدھر شام اور کب سحر ہے
اُجڑتا ہے یا بس رہا اپنا گھر ہے — شہنشاہ کی خوش کہ ناخوش نظر ہے
جو نالاں ہو قحط اور وبا سے رعایا
تو دل جوئی کا ان کو کب دھیان آیا

نہ ہے اہلکاروں میں ہی حبِ قومی — لیاقت ہے ان میں نہ تدبیر ملکی
جو چیٹک ہے اُن کو تو خود مطلبی کی — ریاست سے پیاری ہے انکو اجنبی
مشیروں وزیروں کی ہے یہ گرانی
نہیں مادھوراؤ اور دنکر کا ثانی

نہ آقا کی عمال میں خیر خواہی — نہ ہے راج کا رعب و جبروتِ شاہی
نہ کس طرح پھر راج کی ہو تباہی — نہ کس طرح راجا کی ہو روسیاہی
کمینے جو راجاؤں کے منتری ہوں
نفر اہلکار اور سکریٹری ہوں

مشیر اہلِ تدبیر ہوتا اگر ہے فدا اپنے آقا کے جو نام پر ہے
تدبّر۔ سیاست سے جس کو خبر ہے ترقی ملکی پہ جس کی نظر ہے
تو وہ خود غرض اہلکاروں کی چالیں
چلیں۔ اسکو اک دم میں باہر نکالیں

وہ راجے ہیں کم جو ہیں خود کام کرتے نظامِ ریاست پہ جو دل ہیں دھرتے
رعایا کی بہبود پر ہیں جو مرتے حقوق اور فرائض میں ہیں فرق کرتے
جنہیں اپنی پرجا کے سکھ کی لگن ہے
لگا راج کے کام میں جن کا من ہے

شکایت ہے ہیڈنگ جیسے کہاں اب کہاں لارڈ کیننگ سے مہرباں اب
ہیں ڈلہوزیانہ ادائیں عیاں اب معاہدے سے ہیں کان بہرے یہاں اب
نہیں فارن آفس کے دل میں وہ وسعت
ہتیب اور نائب کی یکساں ہیں حالت

اسے مان بھی لیں اگر بندہ پرور کہ دنیا کا ہے دن بدن حال بدتر
نئی پالیسی کا زمانہ ہے خوگر نہیں اپنی اصلاح کیا فرض تم پر؟
اگر یہ سرِ کیں ہے تم سے زمانا
تو لازم ہے بے عیب بنکر دکھانا

جو زردار ہیں اور سرمایہ والے ہیں ڈھنگ انکے سارے جہاں سے نرالے
یہ کب ہو سکے ان کا پیسا ہوا لے دفینے ہیں گھر اُن کے وہ سانپ کالے
وہ ہیں مارِ گنج اور کیا ہیں جہاں میں
ہیں ایسے ہی زردار ہندوستاں میں

بخیل زردار

جو عاجز ہیں فاقوں سے بھائی ۔ اُنہیں کیا | اگر قوم پر آفت آئی ۔ اُنہیں کیا
گھٹا ملک پر غم کی چھائی ۔ اُنہیں کیا | جو ہے تنگ جاں سے خدائی اُنہیں کیا

ہیں اس قول سے بے خبر کیا وہ نادان
"کہ رکھتے کو زر اور پتھر ہے یکساں"

مسرف اہلِ ثروت

ہیں کچھ اور زردار اور اہلِ ثروت | کہ حاصل ہے جن کو بہت کچھ فراغت
اُنہیں ہاتھ کا میل ہے مال و دولت | اڑاتے ہیں زر کو وہ مٹی کی صورت

وہاں بخل تھا ۔ یاں ہے اسراف جاری
یہ ہیں قومی دولت کی حدیں ہماری

جہاں اہلِ زر کی یہ خود غرضیاں ہوں | جہاں صرفِ زر میں یہ بدنظمیاں ہوں
بخیل اور مسرف بچاری جہاں ہوں | وہاں لکشمی کس طرح مہرباں ہوں

کریں کیسے ملکی صناعت ترقی
کرے کس طرح سے تجارت ترقی

سرمایہ اور صنعت و حرفت

کسی قوم کو علم حاصل اگر ہو | اور اس پر وقوفِ فنون و ہنر ہو
جو وہ عقلِ عملی سے بھی بہرہ ور ہو | یہ سب کچھ ہو لیکن نہ ہاتھوں میں زر ہو

تو وہ علم و عقل اور وقوفِ صناعت
ہے بے زر کے بے جان جیسے ہو مورت

کوئی رنج اٹھا کر جو پردیس جائے | وہاں سے وہ صنعت کوئی سیکھ آئے
جو سرمایہ آ کر وطن میں نہ پائے | تو کس طرح وہ قومی دولت بڑھائے

اسی سے تو تعلیم یاں بے ثمر ہے
اسی سے تو صنعت بھی بے بال و پر ہے

نہ ہیں بینک ہی جا بجا اپنے ایسے — کہ سرمایہ اور ساکھ ہو جنکے پیچھے
ملوں کو جو دیں اچھے اور لمبے قرضے — چلیں جن کی امداد سے کارخانے

ہے یاں ایسے بینکوں کی ازحد ضرورت
کہ جن سے پلیں دستکاری و صنعت

اگر بگڑے چھتری برہمن ہمارے — تو ہیں دیش کے طور بے طور سارے
دکانداریاں اور یہ ساہوکارے — بہت انکے پیچھے لگے ہیں پنڈارے

حریف انکے ہیں بینک بنگال جیسے
ہیں ریلی کے آگے وہ کنگال ایسے

نہ یہ گھر سے نکلیں نہ پردیس جائیں — اصولِ تجارت نہ سیکھیں سکھائیں
وہ بس گھر میں اپنا ہی ماس آپ کھائیں — کہاں عقل. ملکی جو دولت بڑھائیں

اصولِ تجارت سے ان کو خبر کیا
صناعت سے حرفت سے ان کو خبر کیا

ذرا سوچنے کی ہے یہ بات بھائی — کہ آتی کہاں سے ہے اپنی کمائی
یہ دیتا ہے جو کچھ اثاثہ دکھائی — ہے کیا ایک بھی اس میں باہر کی پائی

نہیں یہ. تو یہ قومی دولت نہیں ہے
کمائی کی ہرگز یہ صورت نہیں ہے

شریفوں کی اولاد ہے بے وتیرہ — وہ گستاخ و بد وضع ہیں اور خیرہ
نکموں کا. لچوں کا ہیں وہ ذخیرہ — جو ہیں یاران کے تو میرا فقیرہ

شریفوں سے ملنے کے قابل نہیں ہیں
کسی اُجلے پیشے کے قابل نہیں ہیں

گئے بھنے بڑے ناز و نعمت سے پالے　　رکھے ان پہ بھتے نوکروں کے رسالے
ہوئے جبکہ نام خدا ہوش والے　　تو پھر پیرٹ سے پاؤں ایسے نکالے
کہ اب گھر میں مشکل انھیں تھامنا ہے
نئے فتنوں کا آئے دن سامنا ہے

جو پڑھنے کو بھیجو تو دن بھر ہیں غائب　　جو استاد رکھو۔ بنا لیں مصاحب
ہیں حرکات ان کی زلیس نامناسب　　شیاطین بھی ہیں انکی صحبت سے تائب
شرارت میں بچپن میں بس پاس ہیں وہ
ڈبوؤ ہیں کل کے یہ نسناس ہیں وہ

غضب آ گیا جو شباب ان کو آیا　　لگا رہتے دن رات پریوں کا سایا
کسی جا اگر آپ کا ہے دل آیا　　تو مجنوں سے بھی بڑھ گیا ان کا پایا
کئے عاق ماں باپ بیوی کو چھوڑا
دل اک آفتِ جان و ایماں سے جوڑا

پھرے ان کے دن یا پنے کی جو رحلت　　رہے بنکے نواب چندے بہ شوکت
لٹا کر بزرگوں کا مال اور دولت　　بنے پاک شہدوں کے قبلۂ حضرت
تھیئٹر میں جو چرپرے ایکٹر ہیں
بہت سے شریفوں کے ان میں پسر ہیں

اجدھیا کہ پاتخت تھا رام جی کا　　جہاں بج چکا اِکشواکو کا ڈنکا
جہاں گرم بازار روحانیت تھا　　ہوا ہے یہ اب حال کلجگ میں اس کا
کہ ہیں کسبیاں ناچتی مندروں میں
تو ہیں رام جنیاں گھسی مندروں میں

مندروں میں ناچ مجرے

یہ معبد کی گت ہو تو کیسی عبادت | نہ کیوں زہد و تقویٰ پہ آئے قیامت
ہو معبود کی دل میں کیا خاک عزت | سمادھی کا مرکز بنے کیسے مورت
ہو بھگتوں کے دل میں کہاں سے صفائی
جو ٹھمری کی دھن مغز میں ہو سمائی

وہ مرلی منوہر کا مولد وہ مسکن | کبھی تھا جو عشقِ حقیقی کا مخزن
جسے دیکھ چشمِ دروں ہوتی روشن | زیارت جہاں کی تھی بیکنٹھ درشن
کہ تسکین ملتی تھی جس کی ہوا سے
کلی دل کی کھلتی تھی جس کی ہوا سے

وہاں جاترا کے لئے جو ہیں جاتے | وہ ہیں گڑ چنے بندروں کو کھلاتے
ہیں لڈو سے بھنگیر چوبے جماتے | چڑھاوا چڑھاتے ہیں پرشاد پاتے
رہس کی وہ لیلا پہ ہوتے ہیں شیدا
تو جھولوں کی چھب پہ وہ بنتے ہیں رسیا

ذرا بھی کسی کو نہیں دھیان آتا | کہ مرلی منوہر تھے مکتی کے داتا
وہ گیتا جو ہے برہم ودیا کی ماتا | کوئی پریم سے اس کو سنتا سناتا
پھر آتے ہیں سیواں سے خالی کے خالی
ذرا دل سے چھٹتی نہیں بدخیالی

وہ گنگا کہ جس کے کناروں پہ جاکر | رکھیشر سمادھی میں رہتے تھے اکثر
تصور سے حل کرتے اسرار داور | رموزِ حقیقت کے لکھتے تھے دفتر
بنا سیر کی جا وہ اب ہر کا دوارا
ہے اک عیش گاہ وہ گنگا کنارا

یہ حالت ہوا پنے اگر مندروں کی — ہو یہ کیفیت جب خدا کے گھروں کی
یہ صورت تمہارے ہو جب تیرتھوں کی — یہ ہو دُرد شا ہند کے معبدوں کی

تو پھر روح کو شانتی ہو تو کیونکر
جدا من سے یہ بھرانتی ہو تو کیونکر

وہ مٹھ جن کے بانی ہوئے سوامی شنکر — جو تھے مرکزِ قوم اور علم کے گھر
وہ بانی کے اپنے مقاصد بھلا کر — ہوئے ہیں فدا کسبِ سیم و طلا پر

وہ اب علم کی جائے ہیں زر کے مخزن
وہاں چاندی سونے کے ہیں سنگھاسن

غرض اور یہی ان مٹھوں کی تھی غایت — کہ بن جائیں وہ مخزنِ مال و دولت
رسوخ ان کا ہو قوم پر اور نہ عظمت — نہ ہوں ہند کے مرکزِ علم و طاقت

اسی پر جو تھی ختم بار یک فہمی
تو میں یہ کہوں گا کہ شنکر تھا وہمی

صنادیدِ دیریں کی حالت ردی ہے — توجہ ہی ان پر نہ حکام کی ہے
اُنہیں گوں کی چیز اک نئی ملگئی ہے — اُسی سے وہ سمجھے ہیں شانِ شہی ہے

پھتورا کے محلوں کی کہتی ہے لکھی
برے وقت تھی ان کی بنیاد رکھی

وہ لوہے کی لاٹھ اب تلک جو کھڑی ہے — دلوں کی بہت جس نے سختی سہی ہے
بتاؤ تو کس دھات کی وہ بنی ہے — طلسمی ہے یا صنعتِ آدمی ہے

ہے اجڑا ہوا ہند گو مدتوں سے
نمونے ہیں باقی ابھی صنعتوں کے

جو دِلی کا عبرت فزا ہے سوانہ   نوادر کا مدفون ہے وہاں خزانہ
بہت سر - کہ تھے جن پہ تاج شہانہ   تھا جبروت سے جنکی لرزاں زمانہ

وہاں دفن ہیں بے چتا اور کفن کے
فسانے ہیں یہ دست بُردِ زمن کے

دبے لعل مٹی میں لاکھوں پڑے ہیں   رتن سیکڑوں خاک میں مل رہے ہیں
محل اور باغوں میں ہل چت رہے ہیں   سنو گوش دل سے وہ کیا کہہ رہے ہیں

زمانے کا تو ہم کو شکوا نہیں ہے
یہ غم ہے کوئی رونے والا نہیں ہے

وہ جسرتھ کا شت وہ مقدس رگھوبر   سیاپتر - مہاراجہ رام چندر
نہ تھا کوئی شاہوں میں جسکے برابر   ہیں تمثیلی اخلاق جس کے مقرر

جسے تم ہو وشنو کا اوتار کہتے
جسے تم جگت کا ہو آدھار کہتے

تیرتھ ہے جنم بھوم اس کا کہاں ہے   کہاں وہ مقامِ تقدس نشاں ہے
چھپا کس جگہ وہ پوتر مکاں ہے   کہ جس کی زمیں رو کشِ آسماں ہے

ملیگا وہ اِک صحنِ مسجد کے اندر
زمیں جس نے پائی ہے مشکل سی گز بھر

ہے تاریخی ہر حصہ اس سرزمیں کا   وہ جمرود ہو پانی پت یا وِنستا
کرو چھتر کا کھیت یا شہر پونا   کہ چتور و سرہند کا پاک خطہ

کہ وہ ہلدی گھاٹ اور چندیری کے میدان
ترائن کے کھیت اور دلی کے میداں

ہیں گنجِ شہیداں یہی ہندؤں کے — صنادیدِ زندہ قدیم آریوں کے
مقامات ہیں قوم کے معرکوں کے — ہیں سرتاج تاریخ کے دفتروں کے

بہت انمیں ہیں ہند کی کربلائیں
ستم ہے اگر لوگ اُنہیں بھول جائیں

مگر ہے یہ افسوس اے قومِ غافل — کہ پتھر سے بھی ہوا ہے ترا دل
صنادید یہ سب سے ہے جہل کامل — ہوئی ایسی جس میں قومیت کی ہے باطل

کہاں تجھ کو پروا کہ ان کی خبر لے
بزرگوں کو یادی کی ایک انجلی دے

جہاں میں جمع ہیں اور قومیں پرانی — چلی باغ میں جن کے بادِ خزانی
نہیں گرچہ اب بر سرِ حکمرانی — بزرگوں کی پیاری ہے انکو نشانی

مگر یادگارِ بزرگاں کا ہم کو
نہیں دھیان آتا کبھی ایکدم کو

یہ سرکار برٹش جو اب حکمراں ہے — کھلا راج کا جسکے ہم پر نشاں ہے
شجاعت کے جوہر کی وہ قدرداں ہے — یہ غیرت کی جا اہلِ ہندوستاں ہے

ہمارے شہیدوں کی وہ یادگاریں
بنائے۔ اُنہیں دل سے پر ہم اتاریں

یہ اے آریا قوم عبرت کی جا ہے — یہ کرموں کا سب اپنے ثمرہ ملا ہے
جہاں میں جو حادث ہے اُسکو فنا ہے — وہ ہے جوہرِ روح جسکو بقا ہے

کسی کے گلے شکوے جائز نہیں ہیں
کہ اس خانہ ویرانی کی جڑ ہمیں ہیں

ضعیف اعتقادی

ہے سست اعتقادی طبیعت میں اپنی ۔ ہے ڈھلمل یقینی تو طینت میں اپنی
متانت نہیں ہے عقیدت میں اپنی ۔ نہیں استواری کسی مت میں اپنی
نہ نرگن ہمیں شانتی کا ہے داتا
نہ سَرگن سے ہی دل تشفی ہے پاتا

بدعت پرستی

زمانے میں بدعت اگر کوئی پائیں ۔ تو مذہب کا اپنے اُسے جز بنائیں
بصد جان و دل اُس سے وہ لو لگائیں ۔ اُسے رسم دینی کے سر پر بٹھائیں
بہت ہم میں ہے ایسی بدعت پرستی
اسی پر ہے بھگتی عقیدت کی ہستی

پوجن ۔ عبادت

ہے روٹی کی خاطر بیٹھن اور پاٹھن ۔ منوکامنا سِدّھ کرنے کو پوجن
غرض کے لئے یم ۔ نیم ۔ اور آسن ۔ نہ یگیہ سے ہے تو تفسی پروجن
لگن یوگ کی اور نہ مکتی کی آسا
سمادھی سے ہے سِدھیوں کی تمنا

جو گھاٹ ایک بنوا دیا ہے کہیں پر ۔ وہ گویا پی اینڈ او کا ہے اک سٹیمر
کہ بیتَرنی اس پر لنگھیں گے وہ چڑھ کر ۔ انہیں جم کے دُوتوں کا جاتا رہا ڈر
جو بنوا دیا کوئی مندر شوالا
تو بیکنٹھ کا لے لیا ہے اجارا

تفریق قومی

بنی قوم سے قومیں قوموں سے فرقے ۔ بنیں برن سے ذاتیں ذاتوں سے جرگے
ہوئے فرقے جرگوں کے پھر اتنے حصّے ۔ کہ جائے گزر سال بھر جن کو گنتے
یہ آپس کی پھوٹ اور ان بن تمہاری
کلیجے پہ ہے قومیت کے کٹاری

برہمن نہ مہاں برہمن کے گھر ہو — نہ چھتری ہی چھتری سے شیر و شکر ہو
نہ دو دیش کا میل باہم دگر ہو — ہو چوکا ادھر ایک۔ تو ایک ادھر ہو

تو پھر قومیت کیسی اور قوم کس کی
بڑھے گا وہ کیا خاک یہ گت ہو جس کی

مدار آگے ایماں کے کھاتے پہ ٹھیرا — جو تھا دل کا مذہب بنا اب وہ منہ کا
پکی یا ڈولی۔ خام عقلی کی ہنڈیا — ہوئے فرق کھانوں کی قسم [illegible] پیدا

بڑھی کچے پکے کی زنجیر یہاں پہ
نکل جس سے سکتا نہیں کوئی باہر

یہ تفریق عائد ہوئی زوجیت پر — نہیں ازدواج اک برن میں میسر
کوئی پانچ ہے تو کوئی ڈھائی ہی گھر — ہیں شکمی تفاریق گنتی کے باہر

جہاں ساتھ مل بیٹھنے کی قسم ہو
وہاں کس طرح ازدواج بہم ہو

ہوا تنگ یوں زوجیت کا جو میداں — تو بودے ہوئے قومی ایواں کے ارکاں
ہوا جسمی طاقت کا حد درجہ نقصاں — لگے گھٹنے قامت مرض بڑھ گئے یاں

ہوئی بند نسلوں کی یکسر ترقی
ہوئی قومی بنیاد بے طرح بودی

بڑھی اس پہ یہ کمسنی کی جو شادی — تو بنیاد قومی ہی اس نے ہلا دی
جہاں لڑکی سن ۱۲ سالہ بن جائے دادی — نہ پھیلے وہاں کیسے پھر نامرادی

کئی پشت سے ہوں جو بچوں کے بچے
نہ کیوں جسم اور عقل میں ہوں وہ کچے

جو بیوہ کی حالت کا کچھ بھی بیاں ہو — تو اک بت کی آنکھوں سے بھی خوں رواں ہو
تعجب ہے قایم اگر آسماں ہو — زمیں اپنے محور پہ گردش کناں ہو
پلٹ کیوں نہیں چال سورج کی جاتی
زمیں کی نہیں کس لئے پھٹتی چھاتی

غضب ہے کہ معصوم پر یہ ستم ہو — کہ جینے سے بھی ناک میں جس کا دم ہو
کہ جس کے لئے عمر بھر قید غم ہو — مصیبت ہو اسکی تو مرنے سے کم ہو
یہ اک حصۂ قوم کی زار حالت
دلاتی نہیں کیا کبھی تم کو غیرت

خدا کا بھی گر خوف ہے بھول کھایا — نہ پتھر کے دل میں اگر رحم آیا
کٹھور اپنے دل کو ہے تم نے بنایا — کسی نے نہ یہ بھی تمہیں کیا سمجھایا
کہ شادی سے تم اسکو محروم کر کے
ترقی نسلی ہو مسدود کرتے

تعلق زن و شو میں روحی اگر ہے — جو شادی کی بنیاد اولاد پر ہے
تو کیوں اس کا اطلاق عورت ہی پر ہے — نہ کیوں اس کا پابند ہر اک بشر ہے
اگر درجنوں چھوڑ مر جائے بیوی
تو پیری میں بھی اپنی کرتے ہو شادی

کوئی مذہبی حکم ایسا اگر ہو — جو ایسا جہاں میں کوئی شاستر ہو
خدا کوئی ایسا جو بیداد گر ہو — کہ یہ بیوگی جس کے احکام پر ہو
تو وہ حکم ہے توڑ دینے کے قابل
وہ مذہب ہے بس چھوڑ دینے کے قابل

اگر چرخ پر جھوم آئیں گھٹائیں
اگر پھاگ کی چل رہی ہیں ہوائیں
جو پھولوں میں مہکی لبری کی ادائیں
اگر گھر میں تہوار سارے منائیں
تو بیوہ ہے جس کو خبر تک نہیں ہے
دلِ غمزدہ کو اثر تک نہیں ہے

کہاں تک کوئی کس لئے دل کو مارے
کہاں تک کوئی کھائے یوں غم کے آرے
تڑپتا ہے دل - آہ! جب غم کے مارے
زمیں آسماں کانپ اُٹھتے ہیں سارے
نہ اس طرح بےبس ہو جائے کسی کی
کہ آتی نہیں جس کو آئی کسی کی

گتہ اس کا یہ ہے کہ جب تھی وہ نادان
بڑی تھی کہ چھوٹی تھی بےبس تھی یکساں
کہ چڑھ بیٹھا ماں باپ کے سر پہ شیطاں
اُسے بیاہیں جلدی سے آیا یہ ارماں
یہ قانون ہے کونسا اور سمرتی
کرے کوئی - بھگتے سزا کوئی اسکی

یہاں آکے پھیلے وہ سوشل زمایم
کہ ہیں جتنے انساں ہیں اُتنے مراسم
بہت اُن میں بھدّی ہیں اور نا ملایم
نگران کی تعمیل ہے سب پہ لازم
کسی کے نہیں ہاں ان کی اصلاح بس میں
کہ آباؤ اجداد کی ہیں وہ رسمیں

نہ باقی ہے شرتی سمرتی کی وقعت
نہ ہے شاستر کی کچھ آنکھوں میں وقعت
پُرانوں ہی کی ہے نہ دل میں محبت
چترا اور اتہاس سے ہے نہ رغبت
یہ سب چھوڑ کر دین و دنیا کے پھندے
بنے ہیں وہ مرجاد قومی کے بندے

غلامی میں سموں کی ہیں پا بجولاں — امیر اور غریب انکے ہاتھوں ہیں نالاں
رہائی کا جبس سے نہیں کوئی ساماں — ہیں یہ بدعتیں دشمنِ دین و ایماں

ہے سیاپا اِدھر تو اُدھر سٹھنیاں ہیں
مراسم یہ شادی و غم کی یہاں ہیں

ہے قانونِ رسمی سمرتی سے بڑھکر — ہے ریتوں کی پابندی نیتی سے بڑھکر
ہے قیدان کی آئینِ فوجی سے بڑھکر — رواجوں کا ہے حکم شرتی سے بڑھکر

پرانی لکیروں کے ہیں وہ فقیر اب
گیا ہے نکل سانپ پیٹیں لکیر اب

بہت قوم کی چھیج کے ہیں مخارج — جو قومی ترقی میں ہیں سخت ہارج
گرا ہے غرض قوم پر ایک فالج — نہ تیمار گر ہے نہ کوئی معالج

جو اٹھتا ہے مسہل ہی تجویز تا ہے
بس اِخراج پر زور ہر ایک کا ہے

اصول ایک ہے تنقیہ جیسے طب کا — جماعت پہ بھی ویسے عاید ہے مانا
مگر کوئی معیارِ صحت بھی رکھا — ہے تشخیص کا بھی اصول اور طریقا

اِس اخراج نے روح تحلیل کردی
مرض اور نقاہت کی تکمیل کردی

رواج اور برتاؤ ٹھیرا کسوٹی — دھرم اور اخلاق کی جانچ بھولی
بڑھی اِس قدر آکے ظاہر پرستی — چڑھی ایسی مرجاد کی سر کو بوٹی

کہ اک رسم توڑے جو کوئی برادر
تو ہے چٹ سے خارج۔ فرشتہ بھی ہو گر

تھی پہلے ہی فرقوں کی آپس میں نفرت — نہ باقی کسی میں تھی قومی اُخوت
بڑھی چھوت چھات اور پرہیز کی لت — تو نازل ہوئی ترکِ دیں کی قیامت
کسی کو نہ سوجھا کہ کیا کر رہے ہیں
یہ گھر ہم مشن والوں کے بھر رہے ہیں

جو اس طرح سے نکلے بندھن تڑا کر — مشن کا ملا ان کو آغوشِ مادر
یہ حالت ہے بچھڑا ہوا اک برادر — جو چاہے ملے پھر وہ کیسے ہیں آ کر
تو ملتی ہے یہ پنڈتوں سے بیوستا
کہ ایسے پتت کا نہیں کچھ کفارا

کبھی ایک صوبے میں ہے قحط پڑتا — تو دو طرح کا ہے اثر ہم پہ اُس کا
کہ فاقوں سے ہے ایک حصہ تو مرتا — جو بچتا ہے۔ بنتا ہے لقمہ مشن کا
کسی کی نہیں۔ ہے یہ تقصیر اپنی
کہ ہم میں دیا ہے نہ ہے حبِ قومی

قومی چھوت میں کمی

شب و روز قوم اس طرح چھٹ رہی ہے — اِس اخراج اور ترک سے لٹ رہی ہے
وہ نسبت میں۔ تعداد میں گھٹ رہی ہے — مقابل میں پیچھے کو وہ ہٹ رہی ہے
بتاتی ہے یہ ہم کو مردم شماری
ہے تعداد ہر قرن میں کم ہماری

افلاس

ہے افلاس کا ملک میں دور دورا — بنج سست ہے اور بیپار مندا
وتیرہ ہے سروس کا بیطور بگڑا — غرض ہر کہیں ہے فلاکت کا پھیرا
اگر مل گئی پیٹ کو آج روٹی
تو تن کو میسر نہیں کل لنگوٹی

اٹھی ہے کچھ ایسی یہاں سے فراغت — کہ آنکھوں میں ہیں آنکھیں ڈالے فلاکت
گزر کی نہ ہے نوکری میں ہی صورت — نہ ہے کھیتی باڑی میں باقی ہی خیر و برکت

غرض ہے، برابر کماؤ [illegible]
عمل مفلسی کا ہے بھارت میں ہر سُو

نئے طرز کے جو کہ لکھے پڑھے ہیں — حماقت میں وہ جاہلوں سے بڑھے ہیں
جو تعلیم کالج سے فارغ ہوئے ہیں — یہ بے طرح خبط انکے سر میں گھسے ہیں

کریں گر تو سرکار کی نوکری ہی
کمائیں وکالت سے ورنہ [illegible]

[illegible] — اگر نوکری میں بسر ہو تو کیونکر
جگہ حسبِ تنخواہ سر ہو تو کیونکر — ملے کیسے روٹی۔ گزر ہو تو کیونکر

اسامی ہے ایک اور طلبگار لاکھوں
انار ایک ہے۔ اور بیمار لاکھوں

ہر اک شخص پڑھ لکھ کے ہے جو نکلتا — وہ بند آنکھ کر سوئے دفتر ہے چلتا
اسی پر ہے ہر طفلِ مکتب مچلتا — کسی سے نہیں اپنا پیشہ سنبھلتا

جو تعلیم صنعت نہیں تم کو ملتی
تو آبائی پیشوں کو دو تم ترقی

جو پڑھ لکھ کے تجار کے بیٹے آئیں — سنبھالیں وہ پیشے کو اپنے بڑھائیں
نئے طرز کے فرنیچر وہ بنائیں — اصولِ تجارت پہ ان کو گھمائیں

نہ کیوں کیبنیٹ میکر اچھے بنیں وہ
برابر نہ کیوں لارس کے بنیں وہ

نوکری کا خبط

آبائی پیشوں سے نفرت

مگر ہے یہاں تو جنوں نوکری کا — ذریعہ ہے گویا یہی برتری کا
حکومت کا نسخہ ہے اور سروری کا — غلاموں کو از بس ہے شوق افسری کا
یہ سمجھو کہ ہے خو ہیں اسکی غلامی
جو بنتا ہے روٹی کی خاطر سلامی

نمبر ۵ ہندوستانی نو آبادیوں سے اہل ہند کا اخراج

وطن میں یہ مانا کہ امن و اماں ہے — ترقی پہ افلاس لیکن یہاں ہے
بہت تنگ اب ہندیوں پر جہاں ہے — زمیں سخت ہے اور دور آسماں ہے
یہ اُجڑا وطن چھوڑ جائیں کہاں ہم
کہ پائیں قلی بن کے دو روٹیاں ہم

نو آبادیاں تاج برطانیہ کی — جنہیں ہم سے ہے نسبت خواجہ تاشی
اُنہیں ہند سے سر پھری ہے اتنی — کہ وحشت ہے سایہ سے ہندی کے ہوتی
نہ جس قوم کی اپنے گھر میں ہو عزت
تو غربت میں کیا خاک ہو اسکی وقعت

نمبر ۶ مغربی جنون

یہاں اک گروہ اور پیدا ہوا ہے — کہ ہر ایک سے اسکی برتر جدا ہے
غضب اس پہ مغرب کا مانجھا چڑھا ہے — وطن سے ہی بس اس کا دل پھٹ گیا ہے
نہیں بھائی ہندوں کا کچھ پاس ان کو
ہوا گھر کی آتی نہیں راس ان کو

تتبع ہے مغرب کا بس مذہب ان کا — یہی دھرم ہے اور یہی مشرب انکا
وطن سے تعلق رہا ہے کب ان کا — نرالا ہے تقلید کا کچھ ڈھب ان کا
نہ اپنے معایب کو دھویا انہوں نے
نہ گرم اور ٹھنڈا سمویا انہوں نے

یہ جو نقل ہے سر بسر ظاہری ہے — معایب کی تعداد اس میں بڑی ہے
بھلا ہم میں کب اتنی دانشوری ہے — کہ وہ قوم حاصل جسے مقرری ہے

کریں جذب اپنے میں اسکے محاسن
نہ لیں اُسکے عیبوں کو۔ یہ کب ہے ممکن

یہی تو بڑی آجکل کھل بلی ہے — ہوا پر ہوا یہ مخالف چلی ہے
طبیعت تتبع پہ ایسی چلی ہے — کہ اک بات ہم کو بُری اور بھلی ہے

کئے اختیار عیب مغرب کے سارے
نکالے نہ وہ عیب جو تھے ہمارے

وہ اخلاقِ بد۔ اور وہ عیبِ انساں — کہ ہاتھوں سے تو جنکے یورپ ہے نالاں
مدبر ہیں اصلاح میں جنکی کوشاں — ہوئے ہیں دل و جاں سے ہم ان پہ قرباں

"ویناش" اب جو آیا ہے "کال" اپنے سر پر
تو "وپریت بدھی" کا سایہ ہے گھر پر

وطن سے کیا سر بسر ہے کنارا — دلوں میں ہے نفرت کا روشن شرارا
نہ دنیا سدھاری۔ نہ دیں کو سدھارا — جو گھر انکے دیکھو کھلے پول سارا

رکھا کام انھوں نے تو خود مطلبی سے
تن آسانی۔ خود رائی۔ آوارگی سے

بھلا ان میں وہ حبِّ قومی کہاں ہے — جو یورپ کی تہذیب کا اک نشان ہے
فدا ہر فرنگی کی جس پر کہ جاں ہے — وہ صبر۔ استقامت جو یورپ کی شان ہے

اگر منہ چڑھاتا نہیں یہ تو کیا ہے
بگڑ کر بتاتا نہیں یہ تو کیا ہے

نہ کچھ وقت کی ان سے وقعت ہی سیکھی — نہ ایکا ہی سیکھا نہ الفت ہی سیکھی
نہ کچھ دیس کی اپنے خدمت ہی سیکھی — نہ کوئی غرض اچھی خصلت ہی سیکھی

جو سیکھی۔ تو سیکھی ریا کاریاں ہیں
جو سر میں سمائی تو میخواریاں ہیں

کچھ ایسے بھی خوش فہم ہیں اپنے بھائی — جو ہیں عہدِ ماضی کے از حد فدائی
دماغوں میں ہر دھن کچھ ایسی سمائی — نہیں جچتی آنکھوں میں اُن کی خدائی

گذشتہ صدی کی یہ ساری ترقی
نظر میں نہیں انکی اک ذرّہ جچتی

لقب ماضوی ان کو دینا بجا ہے — اُنہیں قوم کا بھوت کہنا بجا ہے
گزشتہ کا خبط ان میں ایسا گھسا ہے — کہ ہر حال کی چیز ٹھوٹھا چنا ہے

جنہیں سب عجائب ہیں ایجاد کہتے
اُنہیں کو ہیں وہ سست بنیاد کہتے

جو کلجگ کے سنجگیوں کا زور چلتا — تو مغرب سے ہر روز سورج نکلتا
سمندر سے گنگا کا سوتا اُبلتا — سٹیمر ہمالہ کی چوٹی پہ چلتا

یہ سب تار۔ اک پھونک سے توڑ دیتے
سب انجن یہ اک منتر سے جوڑ دیتے

سنو غور سے یہ نظیر اے برادر! — کہ تم نے بنایا مکان ایک سندر
بنائے چمن اور حوض اس کے اندر — کیا اس کو ہر طرح فردوس منظر

گرا بیٹھے پر قرق قرضے میں اسکو
نہیں رکھ سکے اپنے قبضے میں اسکو

انگریز پرستی کے مفتون

وہ قبضے میں اب جسکے دلکش مکاں ہے — نرالا وہ معمار اور باغباں ہے
نیا ساز و سامان سب اسکے ہاں ہے — پرانے مکاں نے نئی پائی شاں ہے

اگر چشمِ بینا سے تم کام لوگے
تو ہجو اس مکاں کی نہ ہرگز کروگے

یہ مانا ذہانت میں سر آریا کا — ابھی تک ہوا ہے نہ ایسا نکما
ہے تحصیلِ علمی میں ہلکا نہ پلا — مگر پھر بھی ہم میں کہاں وہ سلیقا

دھواں جنکے جو ہم دیتے پان چاہیں
ہوا جنکے جو ہم سروں میں سمائیں

ہے حکامِ اعلیٰ کو ہم سے شکایت — تو ابنائے ملکی کو ہے ہم سے نفرت
نہ ہم میں وقوف اور نہ وہ علمِ صحبت — غرض ہم کو حاصل کہاں یہ لیاقت

کہ گھر اپنا غیروں کے دلمیں بنالیں
جو حکام سے چاہیں مطلب نکالیں

جو ریفارمر آپ کو ہیں بتاتے — سبق جو کہ اصلاح کا ہیں پڑھاتے
جو دیش اُنتی کے ہیں دُھرپد سناتے — جو قومی ترقی کا ہیں راگ گاتے

وہ جب وقت آئے تو خود بے عمل ہیں
یقینوں میں خود اُن کے ثابت خلل ہیں

جو کہتے ہیں اس پر یقیں خود نہیں ہے — جو لکھتے ہیں وہ دلنشیں خود نہیں ہے
جو انسان باریک بیں خود نہیں ہے — جو دل پر تراز بغض و کیں خود نہیں ہے

نہ دل میں خلوص اور سچائی اگر ہو
تو تحریر و تقریر میں خاک اثر ہو

بہت یوں تو دل ہیں بھرے ولولے ہیں — ارادے بلند اور بڑے حوصلے ہیں
مگر شیخ چلی کے سب چٹکلے ہیں — ہوائی وہ دریا کے سب بلبلے ہیں
اُبال ایک۔ ہانڈی کا جوش آپکا ہے
خیالی یہ جوش و خروش آپکا ہے

جو طبع آزمائی کو وہ بیٹھ جائیں — تو قلابے چرخ و زمیں کے ملائیں
قلم سے وہ دیتے ہیں کشتی چلائیں — زباں سے زمانے کو وہ جیت لائیں
وہ جمنا کو ٹیمس اک دم میں بنا دیں
سیہ کو سفید اک قلم میں بنا دیں

بہت دامِ تزویر پھیلانے والے — بہت پھاڑ کر حلق چلانے والے
بہت نام سے قوم کے کھانیوالے — بہت روٹیاں یوں کما لانیوالے
بہت لوگ ایسے ہیں ریفارم پیشہ
عذر ان سے لازم ہے کرنا ہمیشہ

غرض کی ہے ہر بات میں اپنی چال اب — دھرم کا نہ ہے قوم کا ہی خیال اب
اسی سے تو پھیلا یہ قحط الرجال اب — چلاتا کسی کام کا ہے محال اب
پراپکاری ہم ہیں نہ پرشارتھی ہیں
جو ہیں خود غرض اور پٹیارتھی ہیں

تفاریق کی لے کچھ ایسی بڑھی ہے — کہ ہر اک سے آپس میں فارغ خطی ہے
اخوت نہ ہمدردیِ باہمی ہے — محبت کے بدلے یہاں دشمنی ہے
وہ اینٹیں جو پیوست خوں سی ہوئی ہیں
الگ ایک سے اک ہوا چاہتی ہیں

اہل غرض ریفارمر

یہ سکھ ہیں یہ ہندو یہ جٹ یہ برہمن — جو کرتے ہیں یہ فرق ہیں قومی دشمن
وہ کم بیں ہیں اور خود غرض ادر پرفن — نہیں چاہتے وہ بنے ایک نیشن

یہ ہیں بانیِ فرقِ قومی کے بانی
سمجھنا انہیں قوم کی جڑ ہیں پانی

جُدا کیسے ہو جائیں سکھ۔ ہندوؤں سے — جُدا گوشت کب ہو سکے ناخنوں سے
کہاں جائیں گے چھُٹ کے یہ بھائیوں سے — بنیگا نہ کچھ خود غرض کوششوں سے

بھلا قول ہادی کا کب بھول جائے
کہ "ملنے کی مہا بکھانی نہ جائے"

سماجوں میں یکانہ ہے منڈلوں میں — سبھاؤں میں میل اور نہ ہے محفلوں میں
ہوں جیسے کہ بیٹھے چھُٹے دنگلوں میں — ہو جیسے کہ ہُو حق مچی پاگلوں میں

ہے یہ حال ہر انجمن میں ہمارا
جُدا ہم سے ہے صلح۔ الفت مدارا

اکٹھے کہیں تلو جو ہو جائیں سیانے — تو سو مت کے سر گرم ہوں کارخانے
کسی کی کوئی بات ہرگز نہ مانتے — ہر اک بات اپنی الگ ہی بکھانے

یہ حاصل ہوا ہم کو مل بیٹھنے سے
کہ پہلے سے بھی بڑھ گئے اور جھگڑے

نکالو۔ اگر راہ تم اُنتی کی — کوئی سوچو تجویز گر بہتری کی
تو پاؤ سستی کا فتوی ملحدی کی — نہیں الغرض کوئی سنتا کسی کی

بھلوں کو بُرا کہنا شیوہ ہُوا ہے
زمانہ کا الٹا وتیرہ ہوا ہے

نفاق اور خود پسندی

نتیجہ [illegible]

خود رائی

کوئی سر دھرا اور لیڈر نہیں ہے — کوئی قوم کا اپنی سرور نہیں ہے
یہ ظاہر ہے جس جسم پر سر نہیں ہے — شمار اس کا زندوں کے اندر نہیں ہے
ہر اک زعم میں اپنے لیڈر ہے بنتا
حقیقت میں یاں کال ہے پیروں کا

جگوں کی وہ پرکھوں کی اپنے کمائی — صد افسوس تم نے سراسر گنوائی
ذرا تم کو اتنی بھی غیرت نہ آئی — کہ آخر تمہیں کیا کہے گی خدائی
بزرگوں کی پت تم نے افسوس کھوئی
ہے سوکھے میں تم نے تو لٹیا ڈبوئی

دنیا کی ترقی و تنزل

زمانے کی جانب جو ہم دیکھتے ہیں — بڑھے سب کے دم اور قدم دیکھتے ہیں
سوا سب کا جاہ و حشم دیکھتے ہیں — مگر آپ کو سب سے کم دیکھتے ہیں
جو پیچھے تھے آگے کو وہ بڑھ گئے ہیں
جو آگے تھے آگے بڑھے جا رہے ہیں

انہیں بڑھ کے اک جا ٹھہرنا قسم ہے — سدا آگے۔ آگے ہی ان کا قدم ہے
بڑھے حوصلے ہیں بڑھا انکا دم ہے — ترقی وہ جتنی کریں اتنی کم ہے
وہ کہتے ہیں جو آج۔ کل کی جگہ ہے
تو سمجھو کہ پیچھے کو وہ ہٹ گیا ہے

انتہائے زوال

کسی نے بھی دیکھی ہے ایسی تباہی! — تنزل سا ہے یہ تنزل الٰہی
نہ یوں کوئی صابر لٹا کر ہو شاہی — نہ ایسی کسی کی بھی ہو روسیاہی
نہیں گنگا جمنا کا بہتا یہ سوتا
ہمالہ ہے بھارت کی بپتا پہ روتا

چڑھی وہ تنزل کی سہر کو خماری   اُلٹ ہی گئی بزم کی بزم ساری
عوض قہقہوں کے ہے اب آہ و زاری   نہ ساقی ہے باقی نہ سنگت ہماری

جو ہے کوئی باقی۔ تو شمع سحر ہے
کہ جو بزم کی یاد میں چشم تر ہے

کبھی یوں نہ اجڑا تھا مسکن کسی کا   نہ یوں جل گیا ہوگا خرمن کسی کا
زمانہ نہ ایسا تھا دشمن کسی کا   لٹا یوں خزاں سے نہ گلشن کسی کا

رہی ایک بلبل بھی جسمیں نہ باقی
بنتھا جو اس اُجڑے چمن کی سناتی

ہم اب خاک میں گو ملائے ہوئے ہیں   زمانے کے رو تدے ستائے ہوئے ہیں
تنزل کے چکر میں آئے ہوئے ہیں   خود اپنے ہی گھر میں پرائے ہوئے ہیں

یہ سب کچھ سہی ہے ابھی جان تن میں
شرارے ہیں کچھ اپنے ٹھنڈے اگن میں

نہیں گرچہ اب وہ حرارت دلوں میں   مگر خوں تو ہے وہ ہی اپنی رگوں میں
نہیں جوش وہ گرچہ اپنے سُروں میں   مگر آب وگل ہے وہی ہڈیوں میں

لٹے بھی تو ہاتھی لٹیگا کہاں تک
سمندر گھٹے تو گھٹیگا کہاں تک

ہے ڈوبا ہوا گرچہ اپنا ستارا   تنزل ہے مدت سے یاں جلوہ آرا
نہیں نیشنوں میں شمار اب ہمارا   مگر جب ہوئے جنگ میں ہم صف آرا

تو ہم رن سے مار اور مر کر ہٹے ہیں
جری ایسے سکھ۔ گورکھے مرہٹے ہیں

گلستاں میں بلبل بہت چہچہائے — گلِ نو بہت رنگ گلشن میں لائے
چمن میں نہ کیا سرو نے سر اُٹھائے — نہ کیا رنگ سبزے نے اپنے جمائے
کوئی بھی اِس اجڑے چمن کو نہ پہنچا
کوئی اپنے باغِ کہن کو نہ پہنچا

نہیں گرچہ وہ رونق اپنے چمن میں — نہ وہ رنگ و بو ہے گل و یاسمن میں
بہت دن سے ہے اپنا سورج گہن میں — ابھی تک رمق ہے مگر اپنے تن میں
بہت فرق ہے مُردہ ۔ مُردہ دلوں میں
تفاوت ہے بیجان اور بسملوں میں

یہاں آئے دورِ زماں کیسے کیسے — سہے ہم نے جورِ جہاں کیسے کیسے
زمیں پر بنے آسماں کیسے کیسے — سبک سر ہوتے سرگراں کیسے کیسے
کوئی آج ان میں سے باقی نہیں ہے
مگر آریہ ورت قائم وہیں ہے

کرشمے جہاں نے دکھائے ہیں کیا کیا — طلسمی گلستاں بنائے ہیں کیا کیا
زمیں نے نئے گل کھلائے ہیں کیا کیا — پکھیرو نئے چہچہائے ہیں کیا کیا
مگر ہے جو بات اپنے باغِ کہن میں
نہیں اسکی بو نو دمیدہ چمن میں

ہے شمعِ سحر وجہِ روشن جمالی — ہے پستی بلندی کو دکھلانیوالی
نشاں بدر کا ہے یہ شکلِ ہلالی — زوال اپنا ہے منتج باکمالی
مٹے گو زمیں پر نشاں ہیں ہمارے
ہیں نقش اپنے گردوں کی آنکھوں کے تارے

یہ استھان گنگوتری کے پوتر پتھورا گی لاٹھا اور اودے پور کے دفتر
ہمالہ کی یہ چوٹیاں سر اٹھا کر اک آواز میں کہہ رہے ہیں برابر
کہ جب تک ہیں ہم ان کو مرنے نہ دیں گے
فنا کو شکار ان کا کرنے نہ دیں گے

قدامت ہو جس قوم کی ایسی یکتا ہو تاریخ جس ملک کی ایسی اعلیٰ
اصول ایسے جس دھرم کے ہوں مصفّا جہاں ہو نشاں قوم کی برتری کا
ہمیشہ نہ وہ قوم سوتی رہے گی
نہ جاگی اگر آج ۔ کل جاگ اٹھیگی

بلا جب کبھی قوم پر گھر کے آئی ہوئی تنگ جب ہم پیاری خدائی
نہ دی جب کہ جینے کی صورت دکھائی فلک تک جو خلقت کی پہنچی دہائی
تو پیدا ہوئے سیواجی ایسے لیڈر
اٹھے شیر رنجیت جیسے گرجکر

ہجوم آفتیں جو حقیقت پہ لائیں گرو پوتروں پر جو بپتائیں آئیں
نویں بادشہ نے جو گڑیاں اٹھائیں تو بھارت کی ماتا بھی غصے میں آئیں
شہیدوں کے خوں سے اٹھے غازی ایسے
بھئے گورد یو گوبند مہراج جیسے

مگر اب نہیں ہے وہ پچھلا زمانا ہے دنیا کا بدلا ہوا کارخانا
ہے بجتا یہاں امن کا شادیانا غنیمت اسے سمجھو گر تم ہو دانا
نہ اس قیمتی وقت کو تم گنواؤ
نہ ست جگ کی مہما ہی پر وجد لاؤ

پُرانوں میں پہلے ہی جو لکھدیا تھا ہوا ہے بزرگوں کا وہ قول سچا
بدامنی کا یکسر اُٹھا یاں سے ڈیرا عَلَم حُبِّ قومی کا بھارت میں چمکا

بہار آئی پھر تازہ اُجڑے چمن میں
نئے آئے پھل پھول باغِ کہن میں

حکومت کا اب حصر ہے معدلت پر سیاست کی بنیاد ہے تربیت پر
ہیں سب دیس کی اپنے سیوا میں تت پر جبھی سایۂ رب ہے اس سلطنت پر

تعصب کسی سے نہ نفرت کسی سے
کہ نیتاؤں کو ہے محبت سبھی سے

اب آزادی تحریر و تقریر کی ہے کہ جس نے ہر اک دل کی تسخیر کی ہے
وہ بیداری عقل اور تدبیر کی ہے کہ حُبِّ وطن دل میں جاگیر کی ہے

نہ تو شیع مذہب کی ہے روک باقی
نہ سوشل تحکم کی ہے ٹوک باقی

غنیمت زمانے کی مہلت کو جانو بتاتے ہیں جو عقل کی بات مانو
جو ہے کام کرنا کرو ملکے سیانو اٹھو اے بزرگو! بڑھو اے جوانو!

نہ کام آج کا چھوڑنا کل پہ بھائی
کرو اپنے تم دشمنوں کی صفائی

بڑھاؤ قدم سورمیرو دلیرو! بڑھے آؤ دل کی طرح میرے شیرو!
نہ منہ دشمنوں کی لڑائی سے پھیرو! دباؤ غنیموں پہ چھا جاؤ۔ گھیرو!

خبر ہے کہ ہیں کون دشمن تمہارے
جنہوں نے اُجاڑے ہیں گلشن تمہارے

خوابِ غفلت سے جاگو

ہیں دشمن تمہارے یہ سستی کہالت   عدو ہے تمہارا یہ وہم اور جہالت
مخرّب تو یہ پھوٹ کی ہے علالت   غنیم اپنی ہے اپنی موجودہ حالت
نفاق اور پھوٹ اپنے دشمن بنے ہیں
یہی تو تمہاری بدی پر ٹھنے ہیں

جو اوّل سے آخر تک اسکو پڑھیں گے   توجّہ سے اس نظم کو جو سنیں گے
وہ گر غور اور فکر سے کام لیں گے   تو محسوس دل اُس رشی کا کریں گے
جو تدبیر و حکمت رشی نے بتائی
سُنو اور بچارو اسے دل سے بھائی

ذرا گوش دل سے سنو اے عزیزو   کہ اب تک جو غفلت ہی میں تم پڑے ہو
نہ رقّت کی حِس دل میں پیدا ہوئی تو   پڑھو بار بار از رہِ درد اِس کو
نہ خوں رو دیں گی جبتک آنکھیں تمہاری
نہ جائے گی غفلت جو ہے تم پہ طاری

جو دل جامِ غیرت سے سرشار ہوگا   تو یہ بخت خفتہ بھی بیدار ہوگا
خزاں کا جدا گل سے ہر خار ہوگا   ترقی کا پھر گرم بازار ہوگا
اگر مانتے ہو تم آواگون کو
تو لگے گی کیسے خزاں اِس چمن کو

مناسب ہے سر پھوٹ کا پہلے پھوڑو   اور آپس میں رشتہ اخوت کا جوڑو
یہ بندھن جو ہیں ظاہری۔ ان کو توڑو   پھر ان اختلافوں کی گردن مروڑو
ہو تفریق تو آشرم کے نیم کی
پرانے زمانے میں جس قسم کی تھی

کرو دین و دنیا کی پھر تم صفائی　　بہم اُن کے دو کھینچ خطِ جدائی
گھسی جب سے ہر چیز مذہب میں بھائی　　تو دنیا و دین دونوں پر آفت آئی

ہو دھرم اور دین کی وہی اگلی صورت
قوانینِ دنیا ہوں حسبِ ضرورت

کرو فسخ در ازدواجِ بہم کا　　لحاظ اس میں ہو صرف گن کے نیم کا
کرو تازہ دستور ورن آشرم کا　　یہ رستہ ہے اصلاح کا اور دھرم کا

ڈرو مت کہ آزادی اک بارِ دیگر
اُسے رکھ سکیں حدِ جائز میں کیونکر

جو قیدیں ہیں کھانیکی اُن کو ہٹاؤ　　مزے سے سب آپس میں بھوجن اڑاؤ
جنیئو سبھی ہندوؤں کو پہناؤ　　وُداِج اُن کو جو آگے آئیں بتاؤ

نہ آپس کے فرقوں کی تمئیز مانو
عزیزوں کو اپنے نہ ناچیز جانو

نہ تعلیمِ نسواں میں غفلت ہو دم کی　　کہ ہے جہلِ زن تم کو مانند سم کی
نہ سنتا کبھی بزدلوں کی یہ دھمکی　　کہ تعلیمِ نسواں کی جب برق چمکی

تو تنکا بھی گھر میں نہ باقی رہے گا
ہر اک صیغۂ زندگی جل بجھے گا

وہ بچھڑے ہوئے ہیں جو اپنے برادر　　وہ فرقے رہی جن سے کھٹ پٹ برابر
اُنہیں قوم کا دو تم آغوشِ مادر　　تم ان سے رکھو دل نہ اپنا مکدّر

مواجب پہ رکھو نظر اپنی ہر دم
کرو اتفاق اور مل جاؤ باہم

تجارت صناعت پہ جو کہہ چکا ہوں　　غلامی کی عادت پہ جو کہہ چکا ہوں
فلاکت کی درگت پہ جو کہہ چکا ہوں　　غرض اب کی حالت پہ جو کہہ چکا ہوں

سبق مل سکیگا تمہیں اُس سے سارا
کہ عاقل کو کافی ہے بس اک اشارا

دلوں میں بھرا سب کے حُبِّ وطن ہو　　سروں میں ترقی کی دھن جوش زن ہو
ہر اک قومی خدمت میں دل سے مگن ہو　　فدا قوم پر سب کا تن من ہو دھن ہو

پرا پکار ہو شان اہلِ وطن کی
نشانی ہو ایثار اپنے چلن کی

بہت سو چکے اب اٹھو ہمدردوالو　　یہ ہے کام کا وقت اسکو نہ ٹالو
مقدر جو بگڑا ہے اسکو سنبھالو　　غلامی کے بندھن جو ہیں توڑ ڈالو

کروگے جو ہمت تو آزاد ہوگے
مصیبت میں کب تک پڑے یوں رہوگے

کہاں ہیں وہ بھارت کے سچے فدائی　　ہے حُبِّ وطن سے جنہیں آشنائی
محبت نے ہے جن کی ہمت بڑھائی　　سناتا ہوں یہ گر کی سن رکھو بھائی

نہ بھولو اسے قول یہ مستند ہے
خدا اہلِ ہمت کی کرتا مدد ہے

ضروری نوٹ

سنہ ۵-۴- اپریل (۴ اپریل ۱۹۰۵ء) کو صبح کے چھ اور سوا چھ بجے کے درمیان ہندوستان میں نہایت سخت زلزلہ آیا۔ اس کی مدت دس منٹ کے قریب تک تھی ہندوستان میں سب سے زیادہ ٹھیٹھ پنجاب میں اسکے خراب اثر ظہور میں آئے اور پنجاب کے اضلاع میں سے ضلع کانگڑہ سب سے زیادہ اس آفت ناگہانی سے پامال ہوا۔ اس ضلع کے بہت سے دیہات اور قصبے۔ حتےٰ کہ دھرم سالہ (جسے دھرم سال اور بھاگسو بھی کہتے ہیں) اور کانگڑہ بالکل تباہ ہو گئے۔ جوالا مکھی کا مندر منہدم ہو گیا نگر کوٹ کا مندر زمین کے برابر ہو گیا۔ قدیم ہندو زمانے کا قلعۂ کانگڑہ جو مضبوط چٹانوں پر بنا ہوا تھا۔ نیست و نابود ہو گیا۔ دھرم سالہ میں فوج کی بارکوں اور انگریزی باشندوں کی کوٹھیوں سے لیکر غریب پہاڑیوں کی جھونپڑیوں تک بھونچال کی لتاڑ میں آئیں۔ بہت سے انگریز اور ہزاروں ہندوستانی اپنے مکانوں میں دب کر مر گئے۔ اس بھونچال کی بربادی گنگو اور منڈی وغیرہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ مگر سب سے زیادہ بربادی کانگڑے اور دھرم سالہ میں ہوئی۔ جاری چشموں کا لوپ (غائب) ہو جانا نئے چشموں کا نکل آنا سڑک کے حصوں کا غائب ہو جانا۔ پہاڑوں کا اکثر مقامات سے پھٹ جانا۔ دریاؤں کے رستہ میں پہاڑ کے بڑے بڑے حصوں کا ٹوٹ کر بند کی طرح قایم ہو جانا۔ اور دریا کو جھیل بنا دینا۔ پانی کا کہیں کہیں گرم ہو جانا۔ نئے غاروں کا پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ اس بھونچال

کی موٹی یادگاریں ہیں۔ ہندوستان کے اس حصے میں ایسے بھونچال کا قریب کی کئی گذشتہ صدیوں میں واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تمہید زیر نوٹ کو حرف منظوم سمجھنا چاہیئے نہ کہ شاعرانہ مبالغہ کے زیور سے گرانبار۔

۵۴۔ ۱۔ تکوین عالم کا زمانہ خواہ کلپ (سائیکل) سے سمجھا جائے یا بموجب قرآن و انجیل کے بیان کے۔ بہرحال یہ امر بدیہی ہے۔ کہ ہندوستان نسل انسان کا مولد و منشا ہے۔ سر والٹر ریلی نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ "طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے ہند میں انسان آباد ہوئے" (صفحہ ۹۹۔ تواریخ عالم) یہ طوفان عالمگیر نہیں تھا۔ پھر بھی یہ اہم واقعہ ہے۔ اس کے علاوہ آدم اور حوّا کا باغ عدن سے نکلکر ہندوستان میں آنا۔ اور یہاں نشو و نما پانا انجیل اور قرآن کا قول ہے۔ اس واقعہ کو انگلستان کے مشہور شاعر ملٹن نے کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

"Both together went
Into the thickest wood there soon they chose
The fig tree; not that kind of fruit renowned,
But such as at this day, to Indians known
In Malabar or Deccan, spreads her arms
Branching so broad and long, that in the ground.
About the tree, a pillar'd shade
High overhead, and echoing walks between.
There oft the Indian herdsman shunning heat,

Shelters in cool and tends his pasturing herds,"

"Those leaves

They gathered; broad as Amazonian targe."

Paradis Lost Book IX

۲۔ "اے نوع انسان کے پنگوڑے۔ قدیم ہندوستان کی سرزمین! اے لایق اور بزرگوار دائی جس کو صدیوں کے وحشیانہ حملوں نے فراموشی کی خاک کے نیچے دفن نہیں کر دیا ہے۔ تجھے مبارک ہو! اے وشواس۔ پریم بسنگیت اور سائینس کی مادر مہربان تجھے مبارک ہو! ہم مغربی آنے والے زمانے میں تیرے گزشتہ زمانے کی سرسبزی کے لئے مبارکبادکہیں!" (جیکالیٹ)!:۔

۳۔ "ابتدائی مقام جو انسان کے لئے اس کے خالق نے مختص ومقرر کیا۔ ایشیا کے معتدل وزرخیز قطعات میں تھا: یہاں نوع انسان نے اپنی ترقی کا زمانہ شروع کیا۔ اور ان علوم کے بقیات سے جو قدیم الایام میں تدوین کئے گئے۔ اور نیز علوم وہنر کے ان بقیات سے جو ہندوستان میں تکمیل کو پہنچے۔ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ (ہندوستان) ان قدیم ملکوں میں سے ایک ہے۔ جہاں کہ اس زمانہ میں انسانوں نے کسی قسم کی ترقیات کیں" (تاریخ ہند قدیم مصنفہ ڈاکٹر ولیم رابرٹسن۔ ڈی۔ ڈی۔ اف۔ آر۔ الیس مطبوعہ ۱۸۰۲ء صفحہ ۲)!:

۴۔ علمائے اسلام کے قول کے بموجب آدم عدن سے نکلکر سب سے اول سراندیپ (لنکا) میں آکر ٹکے۔ اور وہاں سے مدراس میں آکر رہے۔ قدیم زمانہ میں لنکا ہند سے اسی طرح پیوستہ تھی۔ جیسے انگلستان یورپ سے۔

۵۔ ایک اور ثبوت ہندوستان کی اعلیٰ ترین قدامت کا یہ ہے کہ دنیا میں جتنے سموت یا سنہ اسوقت جاری ہیں یا کسی گذشتہ زمانے میں جاری تھے ان سب میں سے ہندؤں کا سمّت جو سرشٹی کی اُتپتی سے شمار ہوتا ہے۔ نہایت پرانا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے نقشے سے واضح ہوگا۔

ترتیب وار نقشہ کل سمتوں کا

نمبر شمار	نام سمت	کب سے جاری ہوا	شمار سمت مطابق سنہ ۱۹۰۰ء
۱	آریہ سمّت	سرشٹی کی اُتپتی سے	۱۹۶۰۸۵۳۰۰۹
۲	چینی سمّت	چین کے اول بادشاہ سے	۹۶۰۰۲۴۰۰
۳	پارسی سمّت	ایران کے اول بادشاہ سے	۱۸۹۸۷۰
۴	کالڈیا کا سمّت	مورث اعلیٰ سے	۱۵۱۹۰۰
۵	مصری سمّت	مینس بادشاہ سے	۲۷۵۵۴
۶	جدھشٹری سمّت	راجہ جدھشٹر سے	۵۰۰۰
۷	نوح کا سمّت	نوحؑ کے وقت سے	۵۰۰۰
۸	ابراہیمی سمّت	پیغمبر ابراہیمؑ کے زمانہ سے	۳۸۲۱

نمبر شمار	نام سمت	کب سے جاری ہوا	شمار سمت مطابق سنہ ۱۹۰۰
۹	سپارٹا کا سمت	شہر سپارٹا کی بنیاد سے	۳۶۰۴
۱۰	یونانی سمت	اولمپیا کے اکھاڑے سے	۲۶۷۶
۱۱	عیسوی سمت	عیسیٰ کی پیدائش کے چار برس بعد سے	۱۹۰۰
۱۲	محمدی سمت	مکہ سے مدینہ میں ہجرت کے وقت سے	۱۳۱۸

۵۳ "دھرم بالذاتہ بعض عالموں کے نزدیک انسانی طبیعت کا ایک لاابعتی اور غیر طبعی اختراعی ڈھکوسلا معلوم ہوتا تھا۔ ویدوں کے دھرم کی روشنی سے دیکھا جائے تو بالکل ایک قدرتی اور قرین عقل حیثیت میں معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ دھرم کا بیج طبع انسانی کے نشوونما میں ایک قدرتی خواص ہے"

(میکس مُلر)

اوپر کی شہادت شاید ہر شہادت سے زیادہ مضبوط اور اہم ہے اس امر کے ثبوت کیلئے کہ ویدوں کے سورج کی شعاعوں نے دنیا سے جہالت اور بیدینی کی تاریکی کو کافور کردیا۔

۵۴ زبانِ سنسکرت کی عظمت کئی وجوہ سے اعلیٰ ترین اور لاثانی مانی جاتی ہے۔ قدامت۔ نحوی و صرفی تکمیل۔ انشا۔ ادب۔ علمی بناوٹ اختصارِ الفاظ و جامعیتِ معنی۔ وغیرہ وغیرہ ؛ سر ولیم جونس کہتے ہیں۔ کہ :-

"سنسکرت کی وضع نہایت عجیب و غریب ہے۔ یونانی سے

زیادہ کامل اور لاطینی سے بڑھ کر وسیع ہے۔ اور دونوں سے زیادہ شستہ ؛؛ (دیکھو سائنس آف دی لنگویج) ؛

ڈاکٹر بیلنٹاین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ،، سنسکرت کل زبانوں کی ماں ہے۔ تمام زبانیں اسی سے نکلتی ہیں ،، یہی صاحب لکھتے ہیں ،، اول آریہ ہندؤں سے یونان میں علم پہنچایا۔ وہاں سے اہلِ رومانے پایا اور ان سے انگریزوں نے۔

سنسکرت کی قدامت اور اس امر کا ثبوت کہ کل دنیا اس سے فیضیاب ہوئی۔ ایک اور طریق پر بھی بہم پہنچا ہے۔ زندہ قومیں تو اس امر سے منکر نہیں ہو سکتیں لیکن مردہ قومیں یعنی جن قوموں کے اسوقت نام ونشان باقی نہیں ہیں۔ ان کی تواریخ بھی یہ بتاتی ہے۔ کہ اُن پراچین قوموں نے ہندؤوں کی تہذیب اور زبان سے فائدہ اٹھایا تھا۔ چنانچہ مسٹر ڈبلیو سکاٹ الیٹ صاحب لکھتے ہیں۔

بظاہر یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ کُرّہ زمین کے مشرقی حصے میں سب سے پہلے اہلِ فنیشیا نے ایسے حروف استعمال کئے۔ جو آوازوں کی محض علامت تھے Phonetic Alphabet مگر یہ ایک تعجب خیز واقعہ ہے کہ اسکے ہمعصر قدیم زمانہ میں (جو کہ اہلِ فنیشیا کا تھا) وسط امریکہ میں یوکٹان کی مایا قوم میں ہم ویسے ہی حروف Phonetic Alphabet پاتے ہیں جن کی تواریخ سے پایا جاتا ہے۔ کہ ان کی تہذیب سمندر پار مشرق کے ایک ملک سے منسوب وماخوذ ہے۔ مورّخ لی پلانجین جو اس مضمون پر اعلیٰ سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ مایا زبان کا تہائی حصہ

خالص یونانی ہے۔ اور یونانی زبان سنسکرت کا بچہ ہے"
(دیکھو تاریخ اٹیلنٹس۔ مصنفہ ڈبلیو سکاٹ ایڈٹ صاحب صفحہ ۷)
اس سے دو امر پایۂ ثبوت کو پہنچے۔
(۱) کہ یونانی زبان سنسکرت سے ماخود یا اس سے بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اور
(۲) کہ برّ اعظم اٹیلنس جو اس وقت سمندر کی تہ میں آرام کر رہا ہے، ہندوؤں کی زبان اور تہذیب کا زلہ ربا تھا۔ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ یہ برّاعظم اٹیلینڈ سے چند ڈگری کے فاصلے سے شروع ہو کر جنوبی امریکہ میں اس مقام پر ختم ہوتا تھا۔ جہاں اب رایوڈی جنیرو واقع ہے۔ آٹھ لاکھ برس کے قریب ہوئے۔ کہ اُس برّاعظم پر قدرت نے ہاتھ صاف کرنا شروع کیا تھا۔ اس دست درازی کو بہت مُدت لگی۔ کیونکہ ہاتھی ٹیگا بھی تو رفتہ رفتہ۔ عجائب خانۂ لندن میں ایک قدیم کتاب مسودہ ٹرولو کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا ترجمہ فاضل لی پلانجین نے کیا ہے۔ اس کے حساب سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس برّ اعظم کے اخیری حصہ کی بربادی کی تکمیل کو ساڑھے گیارہ ہزار سال سے کچھ اوپر مدت گذری ہے: چونکہ یہ برّاعظم رفتہ رفتہ زمین کا پیوند ہوا تھا۔ اس لئے اس کے بہت سے باشندے وقتاً فوقتاً اپنا عدم نصیب وطن چھوڑ کر حال کی نئی دنیا (امریکہ) کے حصوں میں جا جا کر بستے رہے جن کی زبان تہذیب۔ صنعت و حرفت اور پالتو جانوروں کے آثار اس وقت تک امریکہ میں پائے جاتے ہیں۔ سفاک اور وحشی پتھر پیرو

سے پیشتر یہ آثار معہ دیگر آثار قدیمہ کے بکثرت تھے۔ لیکن اب نوادرات سے ہیں۔

میرے خیال میں سنسکرت کی فضیلت پر اس سے زیادہ اور کیا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ لارڈ بیکن صاحب کی مشہور کتاب ایڈوانس منٹ آف لرننگ (۱۲ - ۵ صفحہ ۱۷۲) سے سوتروں کی فضیلت کا کافی ثبوت مل سکتا ہے۔ جو مہرشی پانی کی اشٹا دھیائی پر پورا اطلاق رکھتا ہے۔

۶۔ جرمنی کا نامی فیلسوف اور عالم سنسکرت شاپن ہار اپنشدوں کی شان میں یہ لکھتا ہے۔

"اپنشدوں کے ہر ایک فقرے سے گہرے اصول اور بڑے بڑے بلند خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ تمام میں ایک اعلیٰ درجہ کی پاک اور سچی روح دیا پک معلوم ہوتی ہے سارے جہاں میں سوائے اصل اپنشدوں کے کوئی کتاب ان سے بڑھ کر مفید اور علویت کو پہنچانیوالی مطالعہ میں نہیں آ سکتی۔ یہی اپنشد میری زندگی کے لئے تسلی کا باعث ہوئے ہیں۔ اور یہی میری موت کے بھی تسلی دینے والے ہوں گے"

کھٹ درشن یا کھٹ شاستر یعنی جو چھ دفتر علم و فلسفہ کے مشہور ہیں۔ انکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سانکھ شاستر۔ مصنفہ کپل رشی۔

(۲) سانکھ شاستر۔ مصنفہ کنادرِشی

(۳) نیایرشاستر۔ مصنفہ گوتم رشی۔

(۴) یوگ شاستر۔ مصنفہ پاتنجلی رشی

(۵) میمانسا۔ مصنفہ جیمنی رِشی

(۶) ویدانت شاستر۔ مصنفہ بیاس رشی ریا بیدا بیاس):-
ان کا ذکر مورخ لیتھبرج اس طرح کرتا ہے "آریہ لوگ قدیم سے فلسفہ کے شایق رہے ہے۔ فلسفہ۔ ریاضیات اور طبعیات کے استاد اوّل یہی ہیں" رتواریخ ہند۔ مصنفہ سر راپر لیتھبرج صاحب) اور اب یہ ثابت ہو رہا ہے۔ کہ استاد آخر بھی یہی ہیں۔

۵۷۔ ایران کے مشہور بادشاہ کسرٰے (نوشیروان) کے عہد معدلت مہد میں ہندوستان کی بہت سی کتابیں سنسکرت سے ایران کی زبان میں ترجمہ ہو کر تعلیم میں داخل کی گئیں۔ جن میں سے ایک ہتوپدیش یا پنچتنتر (انوارسہیلی) ہے۔

۵۸۔ عبدالرزاق۔ سلطان شاہرخ کا ایلچی جو ۱۴۴۳ء میں کلی کوٹ میں آیا تھا۔ اپنی کتاب مطلع السعدین۔ میں لکھتا ہے:-

"مال ہر قسم کا بازار میں کھلا پڑا رہتا ہے بغیر مالک کے مگر کوئی اُسے ہاتھ نہیں لگاتا:-

یہ اعلیٰ ترین ثبوت ہے۔ ایک قوم کی راستبازی اور بایمانی کا" قدیم ہندوؤں کے اخلاق کی بابت باہر کے سیاحوں اور ہیرو ڈوٹس جیسے مستند مورخوں کی شہادتیں موجود ہیں۔ جن کو جگہ جگہ

لکھنا ایک علیحدہ کتاب بنا دینا ہوگا۔ یہاں اس باب میں صرف ایک حوالہ لکھا جائیگا۔ مشہور یونانی مورخ ایرین کا قول ہے۔

"میں نے کسی ہندو کو جھوٹ بولتے نہیں سنا"

۹۔ نشکام کرم کی ماہیت اور عظمت کرشن بھگوان نے سریمد بھگوت گیتا کے تیسرے ادھیار کے شلوک ۱۸ و ۲۹ میں اور چوتھے ادھیار (کرم سنیاس) کے شلوک ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ میں وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ ان کا لب لباب یہ ہے۔ کہ عارف مطالب کے حصول کی امید نہ رکھ کے اور قوت متخیلہ کو قابو میں رکھ کر فعل کرتا ہے۔ نتیجۂ فعل کو ایشر کے سپرد کرتا ہے۔ اور فعل کو صرف بطور فرض کے ادا کرتا ہے۔ نہ کہ غرضمندانہ طور پر۔

۱۰۔ ۱۔ چینی سیاح فاہیان جو ۳۹۹ء میں ہندوستان کی سیر کو آیا تھا۔ لکھتا ہے۔ کہ "یہاں کے کالجوں میں دنیا کے ہر ملک کے طالب علم پڑھنے کو آتے ہیں۔ ہسپتالوں میں غریبوں کا مفت علاج ہوتا ہے۔ اور خوراک ملتی ہے۔ شراب کی دوکان کسی شہر میں نہیں ہے۔"

۲۔ پروفیسر والٹسن:۔ "سورج (سوریہ) سدھانت کے لکھے جانے کے ایک مدت قبل سے ہندو علم ہندسہ سے ماہر ہوں گے۔ اس میں وتروں کی مقدار معلوم کرنے کا ایسا عمدہ قاعدہ موجود ہے۔ جس کا استعمال پہلے پہل برگز صاحب نے

سترھویں صدی میں کیا" برٹش انڈیا۔ جلد ۳ صفحہ ۴۰۳) ؛

۳۔ "محیط اور قطر کی مناسبت کا بیان بھی سورج سدھانت میں ہے کیا" (تحقیقات حالات ایشیا۔ جلد ۲ صفحہ ۲۵۹) ؛

۴۔ پادری نٹلی: "آریوں نے جو طریق الشمس کو ۲۷ منازل قمر (نچھتر) میں تقسیم کیا ہے جس سے وہ اس زمانے میں بہت بڑے عالم اُس علم کے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ تقسیم مسیح سے ۲۴۴۴ سال پہلے ہوئی تھی" (تاریخ ہندوستان۔ صفحہ ۲۴۰ و تحقیقات ایشیا جلد ۴ صفحہ ۱۵۲) ؛

۵۔ پونڈ صاحب کی لاپلیس والی کتاب انتظام دنیا" تمام ہیئت داں آریوں کی تحقیقاتوں کے نہایت قدیم ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس بات میں کوئی حجت نہیں معلوم ہوتی کہ انھوں نے جو ٹھیک اور صحیح حرکت وسطی سورج اور چاند کی قرار دی ہے۔ وہ ان کو قدیم زمانے کی تحقیقاتوں سے ان تحقیقاتوں کا مقابلہ کرتے سے حاصل ہوئی ہو گی۔ جو اس زمانے کے لوگوں نے خود کیں۔

۶۔ تحقیقات حالات ایشیا۔ (ج ۷ و ۸۔ ص ۳۸۲ و ۴۸۹) اور جس قاعدہ پر پترہ (تقویم) بنا ہے اس کے لکھے جانے کا زمانہ مسیح سے چودہ سو برس پہلے قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ پروفیسر والسن:۔ ہیئت کی تحقیقاتوں اور علم ہندسہ کے ثبوتوں میں جبر و مقابلہ کا استعمال جو ہندوؤں نے کیا ہے۔ وہ بھی

انہی کی ایجاد ہے۔ اور جس طریق سے وہ اس وقت بھی یہ کام کرتے ہیں۔ تعریف کے قابل ہے (کالبروک کا انڈین الجبرا۔ ص ۹۔ ۸۔ ۴ اور اڈنبرا ریویو۔ ج ۲۹۔ ص ۱۵۸) ؛

۷۔ تاریخ ہندوستان۔ ص ۲۴۶ :- علم حساب میں آریہ لوگ کسور اعشاریہ کے ایجاد کرنے کی وجہ سے جس کا موجد سب انہی کو تسلیم کرتے ہیں۔ معزز و ممتاز ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسی تحقیقات کے موجد ہونے کے باعث علم حساب میں آریوں کو یونانیوں پر بڑا فخر و فوقیت حاصل ہے ؛

(تاریخ ہندوستان" مذکورہ نوٹ ہذا کو مصنفہ آنریبل الفنسٹن صاحب تصور کرنا چاہیئے) ؛

۱۱۔ دیکھو نوٹ ۱۰ ؛

۱۲۔ ڈاکٹر ہنٹر اپنی تاریخ کے صفحہ ۸۵ و ۸۶ پر لکھتے ہیں ؛

قدیم زمانے کے برہمنوں کو جانوروں کی لاشوں کے چیرنے پھاڑنے میں پرہیز نہ تھا۔ برہمنوں نے علم طب میں یونانیوں سے کچھ حاصل نہیں کیا۔ بلکہ ان کو بہت کچھ سکھایا۔ اور سنسکرت سے جو کتابیں ۸۰۰ء میں ترجمہ ہوئیں۔ انہی پر عربستان کے طب کی بنا پڑی۔ اور سترھویں صدی تک یورپ کے اطبا عرب والوں کے (در اصل ہندیوں کے) اصول پر چلتے تھے۔ اہل یورپ کی طب کی کتابیں جو قرون وسطی (آٹھویں صدی عیسوی تک کا زمانہ) تک تصنیف ہوتی

رہیں۔ ان میں ہند کے طبیب چرک نامی کے اقوال
کے جابجا حوالے دیئے گئے ہیں۔ جس کا زمانہ مسیح سے
پیشتر گذرا ہے"۔

آنریبل الفنسٹن صاحب تواریخ ہند میں لکھتے ہیں
فن جراحی میں جو دستگاہ ہندوؤں کو حاصل تھی۔ وہ
اسی قدر حیرت انگیز ہے۔ جس قدر کہ علم کیمیا کی ترقیات۔۔
چنانچہ پتھری نکالنا۔ آنکھیں بنانا۔ رحم سے بچہ کا نکالنا
۔ ان کے ہاں شائع و رائج تھا۔ سوا سو سے زیادہ
آلات جراحی ان کے ہاں مستعمل تھے۔ چیچک کا ٹیکا
لگانا ان کے ہاں مدت سے چلا آیا ہے۔

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی:۔
"علم طب کے نہایت قدیم مصنف جن کی تصانیف ابتک
موجود ہیں۔ چرک اور سشرت ہیں۔ ان کی کتابوں کا
ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔ اور ظن غالب ہے کہ عرب
والے اُن کا ترجمہ ہوتے ہی تحصیل علوم کی طرف متوجہ ہوئے
عربی زبان کے مصنف علانیہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہم نے
ہندوستان کے طبیبوں سے بیشک فائدہ اٹھایا ہے
۔۔۔ ابتدا میں اہلِ یورپ نے اس علم کی تعلیم انہی
(ہندوؤں) سے پائی۔ اور زمانہ حال میں بھی دمہ کی بیماری
میں حُقہ میں دھتورا پلانا اور کونج کی پھلی سے کپڑوں

کا علاج کرنا ان ہی سے سیکھا ہے" رسالۂ مخزن العلوم
ج ۲ - نمبر ۱۱
بھوگول ہستا ملک - صفحہ ۴۳ - مطبوعہ ۱۸۷۶ء
"بغداد کے بڑے خلیفہ ماموں نے یہاں (ہندستان)
سے طبیب بلوائے تھے - ہمیشہ انہی کی دوا کھاتا تھا"

۳ - "اگرچہ دین ہنود پران کے حملہ آوروں کیطرف سے اکثر سخت حملے اور طرح طرح کی اذیتیں ہوتی رہیں - مگر جس راسخ عقیدت سے وہ اپنے بزرگوں کے مذہب اور دھرم پر جمے رہے اس سے بڑھ کر کسی قوم نے باایمانی کا ثبوت نہیں دیا -

Orme's Fragment p. 102.
Sonnerat. Vol. 1. p. 194.

۴ - دیکھو سکھوں کی تواریخ - مصنفہ کننگھم صاحب صفحہ ۶۳ و ۶۴ -

اس قسم کے خیالات سے جن کا ذکر اس بند میں آیا ہے - راقم کا مقصد صرف یہ دکھلانا ہے - کہ ہمارے بزرگ جان و مال اور اولاد کو دھرم پر قربان کرنے والے تھے - اس سے مطلب نہیں ہے کہ فریق مخالف مسلمان تھے - یا بودھ - یا یونانی تھے یا افغانستانی چونکہ یہ واقعات تاریخ میں نسبتاً تازہ ہیں - اس لئے ان کی طرف اشارہ کر دیا گیا -

۵ - دیکھو ڈاکٹر سٹائین کی کتاب Sand burried

cities of Khotan جس سے ثابت ہوگا۔ کہ ہندو آریوں کی تہذیب اور سلطنت کے آثار کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے ریت کے ٹیلوں کے نیچے سے بہت سے آثار قدیم اور بدھ کی مورتیں کھود کر نکالیں۔

نوٹ ۱۶: آریہ لوگ عمارت کے فن میں بخوبی واقف تھے۔ جہاز بنانا جانتے تھے۔ علم معدنیات سے خبردار تھے۔

(سائنس آف دی لنگوئج۔ صفحہ ۲۷۳)

نوٹ ۱۷: دیکھو نوٹ ۱۴ اور نوٹ ۱۹ و ۲۰۔

نوٹ ۱۸: سنسکرت کی کتابوں میں ذکر آیا ہے۔ کہ فلاں راجا پاتال دیس کو چلا گیا۔ اور وہاں ملک فتح کر کے آباد ہوا۔ سوریہ سدھانت وغیرہ علمی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔ کہ ہمارے بزرگ زمین کو اسی طرح مدوّر اور متحرک مانتے تھے۔ جس طرح کہ آج کل کے زمانے میں مانتے ہیں۔ یہ یقین ہندوؤں کا ایسا عام تھا۔ کہ شاہزادہ دارا شکوہ نے بھی اپنی کتاب مجمع البحرین میں اس طرح اس کا ذکر کیا ہے:۔

"واہلِ ہند این ہفت طبق زمین را بر روئے ہم مثل پوست پیاز نمیدانند۔ بلکہ بہ مراتب مثل نردبان تصور میکنند۔"

انٹی پوڈیز اور پاتال مترادف ہیں۔ ہندوستان کا پاتال دیس امریکہ ہے۔ آثار قدیمہ جو میکسیکو (امریکہ) میں پائے گئے ہیں صاف بتاتے ہیں۔ کہ ہندو اور بودھ دونوں چھتے ہمارے بزرگوں کے

امریکہ میں جا کر پہلو بہ پہلو بسے مفصل واقفیت کیلئے دیکھو۔ لیلینڈ صاحب کی کتاب فیوسانگ اور دیگر کتب متعلقہ۔ متلاشی کو چاہیے کہ ایک امر کی تحقیق مقام مناسب میں کرے۔ سمندر میں پرندوں کی اور صحرا میں جوار بھاٹا کی تحقیقات کرنے والے کو کوئی بھی سلیم العقل نہ کہے گا۔ کرۂ ارض کے متعلق ہندوؤں کی معلومات کا اندازہ ان کی علم جغرافیہ کی کتابوں سے کرنا چاہیے۔ نہ کہ اور کہیں سے کرگ سنگھا۔ کے وشو کھنڈ۔ گولوگ کھنڈ۔ چھتر سماس اور وشنو پران وغیرہ میں قدیم جغرافیہ دیکھنا چاہیے۔ چند نام۔ ناظرین کی واقفیت کیلئے بالاجمال یہاں لکھے جاتے ہیں۔ یہ امر ذہن میں رکھنا چاہیے کہ بہت سے ملک جو اُس وقت تھے۔ اِس وقت صفحۂ دنیا پر نہیں ہیں۔ جیسے بڑا اعظم اٹیلنٹس۔ بہت سی خاکنائیں آبنائیں۔ اور اس کے بالعکس بن گئیں۔ آبنائے سویز تو کل کی بات ہے کہ خاکنائے کو بدل کر بنائی گئی۔ یہ انسانی کام ہے۔ قدرت نے خاکنائے بیرنگ کو آبنائے بنا دیا۔ برطانیہ کلاں پہلے یورپ کے برا اعظم سے پیوستہ تھا۔ اب الگ ہے۔ بہت سے ملک پہلے گم نام تھے اب نامی گرامی ہیں جیسے آسٹریلیا۔ کہیں رقبہ کم ہو جاتا ہے اور کسی ملک کا رقبہ بڑھتا جاتا ہے۔

جمبو دیب کے نو کھنڈوں کی تفصیل:-

(भारतवर्ष)	ہندوستان	(इलावृतवर्ष) ایلاسکا
(रम्यकवर्ष)	کینڈا	امریکہ متحدہ

(किम्पुरुवर्ष) روس یورپ — (हरिवर्ष) گرین لینڈ

(केतुमलवर्ष) کمچٹکا — (भद्राश्ववर्ष) تاتار

(कुरुवर्ष) کوریا و جاپان

فرنگستان کے دو نام تھے۔ الیشو کرانت اور الیشو جات۔ افریقہ کو رتھ کرانت اور سوریا رکا لکھا ہے۔ ایشیا کے تام لبشنو کرانت او اسے چنک۔ امریکہ کے کمار دیپ اور سورن بھوم تھے۔ جزائر برٹن کو آبرٹن اور اندر دیپ لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو۔ کہ سوریہ سدھانت بنانے والی قوم کرۂ زمین کی پیدائش سے واقف تھی یا نہیں۔ تو آیو مہاتم بیا زمین کی پیمایش کے آلہ کا ذکر ملاحظہ ہو جو ہندوؤں کے سروے ڈپارٹمنٹ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ پرانی کتاب آیو مہاتم کرنل ٹاڈ نے بعہدۂ ریزیڈنٹی راجستان رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی نذر کی تھی۔ (دیکھو تاریخ راجستان صفحہ ۱۶ مطبوعہ نول کشور پریس)

۱۹ و ۲۰ تمام مورخین قدیم و حال اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ زبان۔ ادب۔ فلسفہ اور سائنس وغیرہ ہندوستان سے یونان نے سیکھے۔ اور وہاں سے یا اسی طرح براہ راست سارے جہان نے حاصل کئے۔ یورپ میں اور عرب میں یہیں سے جاکر روشنی پھیلی۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے۔ کہ یہ ہوا کس طرح سے تازہ ترین جغرافیائی۔ تواریخی اور آثار قدیمہ کی تحقیقات صاف بتاتی ہے کہ ہندو اپنے ملک ہندوستان میں علوم و فلسفہ کی تکمیل کر کے

اور ملکوں میں جاکر آباد ہوئے۔ اور وہاں اپنی تہذیب اور کمال علمی کی اشاعت کی۔ کچھ ذکر اس کا عہ میں آچکا ہے۔ کچھ یہاں لکھا جاتا ہے۔ تفصیلات کے لئے ایک علیحدہ کتاب چاہئیے اس لئے مجمل ذکر کیا جائے گا:-

ہندو نو آبادیوں کی نظیر جو انھوں نے یونان اور امریکہ وغیرہ میں جاکر بسائیں۔ بعینہٖ حال کی سیکسن قوموں کی نو آبادیوں سے تشابہ ہے۔ جیسا کہ برطانیہ کی سیکسن قوم نے آسٹریلیا اور امریکہ میں جاکر کیا وہی عمل قدیم ہندؤں نے یونان وغیرہ ملکوں میں کیا انہوں نے اپنے دریاؤں۔ جھیلوں۔ پہاڑوں اور شہروں کے نام پیارے وطن کی یاد میں اپنے نئے مسکنوں میں جاکر استعمال کئے۔ اس قسم کے اپنے معبد بنائے اور وہی علوم اور ہنر وہاں جاکر پھیلائے۔

یونان کی قدیم تواریخ سے پایا جاتا ہے کہ اجنبی لوگ مشرق کی طرف سے آکر وہاں آباد ہوئے۔ وہ اعلیٰ درجہ کے مہذب عالم اور صنعتکار تھے۔ انھوں نے وہاں علم و حکمت پھیلایا۔ اور اعلیٰ باشندوں کو مہذب اور اپنا معتقد بنایا۔ مہابھارت سے بھی ظاہر ہے کہ کرو و چھیتر کے جنگ کے بعد ہندؤں کے بہت سے خاندان ترک وطن کر کے مغرب کی طرف چلے گئے۔ اور بحیرۂ روم کے کنارہ یونان۔ فنیشیا۔ فلسطین۔ کارتھیج۔ روم اور مصر وغیرہ ملکوں میں جاکر بسے تھے۔ اس کے بعد ہندوستان میں بدھ مت کے عروج و زوال پر بدھ اور جین مت کے آدمی بھی ان مقامات اور نیز

میکسیکو اور پیرو وغیرہ میں جا کر بسے۔ اس خلط ملط قیصہ اور آبادی کے آثار اس وقت تک پائے جاتے ہیں۔ مزید واقفیت کیلئے دیکھو کتاب انڈیا ان گریس (ہندوستانی یونان میں) مصنفہ پوکاک صاحب۔
مصنف محاصرہ ٹرائے و تواریخ یونان وضاحت
کے ساتھ لکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ جو مشرق سے آکر یونان میں بسے تھے اور جنہوں نے اصلی وحشی باشندوں کو زیر کیا تھا۔ وہ کیسے تھے۔ وہ دیوتاؤں کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے پاس اپنے گھر کا سونا تھا اور بکثرت تھا۔ ریشم کے کامدار اونی دوشالے اوڑھتے تھے۔ ہاتھی دانت کی اشیاء استعمال کرتے تھے۔ بیش بہا جواہرات کے ہار۔ پیتل کے ترسول۔ گانے کے جلسے وغیرہ وغیرہ...... اسکے علاوہ بہت سے نام دریاؤں۔ پہاڑوں اور جھیلوں کے یونان کے جغرافیہ میں ایسے ملتے ہیں۔ جن کے معنی یونانی زبان میں کچھ نہیں بنتے۔ مگر سنسکرت میں پورے طور پر بلکہ اسم بامسمی بنجاتے ہیں۔ زیادہ تفصیل کی اس جگہ گنجایش نہیں ہے۔

۵۲۱۔ اشارہ ہے۔ مثنوی صبح امید۔ مصنفہ مولانا شبلی نعمانی کے اس شعر کی طرف جو واللہ اعلم کسی سند پر انہوں نے تحریر کیا ہے۔

جو فلسفیان ہند و چین تھے
خرمن سے اسی (عرب) کے خوشہ چین تھے

چین تو خیر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ قافیہ کی رعایت سے لکھ دیا۔ لیکن

بیچارے ہند کی کھپت کے بظاہر کوئی ضرورت شعری تو معلوم نہیں ہوئی۔ بہرحال ہر ہندوستانی کا فرض ہے۔ علم اس سے کہ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ کہ وہ تحقیق کرے۔ کہ اس کے پیشترو ابنائے وطن نے کہاں سے اکتساب علم کیا۔ اور کس کو تلقین۔ راقم اس سوال کو صرف ایک ملکی مسئلہ خیال کرتا ہے۔ کیونکہ نہ سارے مسلمان عرب سے آئے ہوئے ہیں اور نہ تمام ہندو ہند کے اصلی باشندے ہیں۔

۲۲ھ مقتبس از مدوجزر اسلام (مسدس حالی) مصنفہ شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی۔

۲۳ھ۔ دیکھو کتاب "قدیم ہندوستان کے متعلق ایک تواریخی تحقیقات" مصنفہ ڈاکٹر رابرٹسن صاحب مطبوعہ سنہ ۱۷۹۱ء صفحہ ۹۱ اور Herbalot. Biblioth. Orient. Arab. Harn. اور Abul Pharas. Hist. Dynasr. p 113

۲۴ھ۔ حکمائے قدیم وجدید نے عورت کی ذات کو تمام خلقت میں سب سے زیادہ کامل قرار دیا ہے۔ بعض مذہبی کتابیں مثل قرآن اور انجیل عورت پر خلقت کا خاتمہ کرتی ہیں۔ یعنی سب کے بعد عورت پیدا ہوئی۔ لہذا بروے اصول ارتقاء عورت کامل ترین فرد اور ماحصل ہے۔ سرشٹی یا خلقت کی فلسفہ اعداد پر اندرونی نظر ڈالتے ہوئے میڈم بلیوٹسکی نے سیکرٹ ڈاکٹرن میں عورت کو بمقابلہ دیگر اعداد کے کامل عدد یا فرد تسلیم کیا ہے۔

۲۵ھ۔ ابوزید سنہ ۹۱۶ء میں لکھتا ہے۔ کہ "رانیاں نہ نقاب

منہ پر ڈالتی ہیں۔ نہ پردہ کرتی ہیں۔ سب کے سامنے باہر نکلتی ہیں اور حکومت کے کام میں مردوں سے ہرگز کم نہیں"۔ اسی سے سوسائٹی کے اور طبقوں کی عورتوں کی حیثیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

۵۲۶

यदेतत् हृदयं तव तदस्तु हृदयं मम ।

यदिदं हृदयं मम तदस्तु हृदयं तव ॥

بیاہ کے وقت دولہا۔ دولہن آپس میں اقرار کرتے ہیں۔ کہ تیرا دل یا آتما مجھے اپنے آتما کی مانند پیارا ہوگا۔ اور میرا دل ہمیشہ تجھے اپنے آتما کی مانند پیارا"۔ یہ وید کا منتر صاف طور پر بتاتا ہے۔ کہ شادی میں عورت اور مرد کی حیثیت عین مساوات کے درجہ پر تھی اور کہ بیاہ ایک روحانی تعلق تھا۔

۵۲۷۔ مدراس کی بائبل سوسائٹی کے بڑے مصنف ڈاکٹر مورڈک مرحوم لکھتے ہیں۔

"معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں ہندوؤں میں) ایک وقت میں ایک بیوی رکھنے کا دستور تھا۔ بعض صورتوں میں دلہن سوئمبر کی رسم سے اپنا شوہر انتخاب کرتی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ شادی صغر سنی کا رواج نہ تھا"۔

ایک ایسے عیسائی کی زبان سے جو پادریوں کا سرتاج ہو۔ یہ الفاظ بڑی جان رکھتے ہیں۔ مگر سوئمبر کی رسم سے شاید ڈاکٹر مورڈک کا اُس رسم سے مطلب ہے۔ جس کا ذکر دروپدی اور سیتا کی شادی کے حالا

میں کیا گیا ہے۔ اس بڑے پیمانہ پر انتخاب شوہر کا انتظام راجکماریو
کیلئے ہی ہو سکتا تھا۔ اسی لئے انھوں نے "بعض صورتوں میں" لکھا
امر واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ رسم حسب درجہ اشخاص متعلقہ و طبقہ سوسائٹی
عام تھی۔ لفظ سوئمبر کے معنی ہی یہ ہیں۔ اپنا شوہر خود پسند کرنا۔"

۲۸ - یہی ڈاکٹر ہورڈک صاحب لکھتے ہیں -
کاسٹ سسٹم (ذاتوں کی تقسیم) ہندوؤں میں نہیں تھا مسٹر آر
سی دت لکھتے ہیں:-
"وید منتر کے بڑے مجموعہ میں جو چھ سو برس اور زیادہ تر مدت
میں لکھے گئے۔ اور جن میں "لوگوں کی عادات۔ دستوروں اور رسم و رواج
کا بکثرت ذکر درج ہے۔۔۔۔ ہم کو ایک واحد فقرہ بھی نہیں ملتا کہ جس
سے یہ ظاہر ہو۔ کہ قوم پیدائشی ذاتوں میں منقسم تھی"

۲۹ مگدھ دیس کو اب بہار کہتے ہیں۔ جو بنگال اور صوبجات
متحدہ آگرہ کے مابین واقعہ ہے۔ اس کے پایہ تخت کا نام پاٹلی
پوتر تھا جسے اب پٹنہ کہتے ہیں۔ تفصیلی واقعات کے لئے دیکھو تاریخ
ہند مصنفہ مولوی عبدالکریم صاحب۔ صفحہ ۲۱ - ۲۲ -

۳۰ دیکھو تاریخ ہند مصنفہ جے۔ ٹیلیائز دھیلر۔ جلد سوم۔

۳۱ برن یا ورن یہ چار درجے ہندو سوسائٹی کے ہیں۔ یعنی
برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ اور شودر۔ مشہور مدراسی مدبر دیوان
رگھوناتھ راؤ کہتے ہیں۔ کہ۔
ہربرٹ سپنسر شاید سب سے بڑا ریفارمر ہے جو موجودہ دنیا نے

پیدا کیا۔ وہ ایک عام اصول قائم کرتا ہے۔ کہ سوسائٹی (مجلس یا جماعت) کی بناوٹ اور اس کے فرائض انسانوں کی بناوٹ اور فرائض کی پیروی کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں سوسائٹی کا ایک خاص حصہ دماغ کی بناوٹ اور اسکے اشغال سے مشابہت رکھتا ہے۔ سوسائٹی کا دوسرا حصہ بازؤں کی بناوٹ اور ان کے فرائض (اشغال) سے مشابہت رکھتا ہے۔ ایک حصہ سوسائٹی کی ٹانگوں اور ہاتھوں کی بناوٹ اور فرائض سے مشابہت رکھتا ہے۔ اب کیا یہ ٹھیک وہی نہیں ہے جو ہندؤں کے شاستر کا مطلب ہے۔ جب وہ کہتے ہیں۔ کہ برہمن۔ برہما کے دماغ سے پیدا ہوئے۔ کشتری برہما کے بازووں سے اور دیش (کاشتکار۔ اہلِ حرفت و سوداگری پیشہ) اس کے دوسرے حصوں سے پیدا ہوئے۔ لفظ برہمہ سے شاستروں کی مراد عام انسانی حالت یا انسانی نیچر کی شخصیت سے ہے۔ سمجھ دار آدمیوں کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ اسی بیوستھا کے بگڑ جانے سے قوم ہنود اس حال کو پہنچی۔

۵۳۔ برن آشرم سے مراد ہے۔ وہ چار حصے انسانی زندگی کے جو حکمائے ہند نے ذاتی اور سوشل ترقی کیلئے کئے تھے۔ پہلے کا نام برہمچرج تھا۔ یہ زمانہ کسب علم و ہنر میں قطعی تجرد کے ساتھ صرف ہوتا تھا۔ دوسرا گرہیست۔ ازدواج خانہ داری۔ تولید و تناسل اور روپیہ کمانیکے واسطے مختص تھا۔ تیسرا ربع گوشۂ تنہائی میں بیٹھکر علم اور تجربات و مشاہدات کی تکمیل و تصور کامل اور اخذ نتائج و تطبیق نتائج ماخوذہ

کیلئے مقصود تھا۔ اس کا نام پان پرست تھا۔ اخیری چوتھائی حصہ عمر کا سنیاس یا سنیست کہلاتا تھا۔ اس آشرم کے فرائض یہ تھے۔ کہ پچھلے تینوں آشرم میں انسان نے جو کچھ پڑھا۔ دیکھا۔ برتا اور بچارا ہو اور جو نتائج اس سے حاصل کئے ہوں۔ سوسائٹی میں آکر اس کا پرچار کرے یعنی تمام عمر کی روحانی اور دماغی کمائی سے خلقت کو فائدہ پہنچائے

۳۳

" शृण्वन्तु विश्वे अमृतस्य पुत्राः "

ऋग्वेद मण्डल १० सूक्त १३ मन्त्र १ ॥

" अमृतस्य पुत्राः " کو اس وید منتر میں تمام بنی نوع انسان کو" کے الفاظ سے خطاب کیا ہے۔ یعنی اے پرماتما کے پترو تم سب وید کی ہدایات کو سنو۔

۳۴۔ مسٹر ٹامس ایم وایز اپنی تاریخ ویدک کے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ " یورپ کا جہالت سے نکلکر روشنی میں آنے کا باعث آریہ ورت کی تعلیم ہے "

۳۵ ادائے فرائض منصبی کی تاکید میں جو فہمایش سری کرشن مہاراج نے ارجن کو کروچھیتر کے مقام پر کی۔ نہ صرف ہر ہندو بلکہ ہر انسان کا دستور العمل بننے کی مستحق ہے۔ مسز اینی بسینٹ صاحبہ اپنے ترجمہ بھگوت گیتا کے دیباچہ میں لکھتی ہیں " بھگوت گیتا کا لب لباب یہ ہے۔ کہ روحانی آدمی کو تارکِ دنیا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ یوگ (پرماتما کا وصال) دنیاوی کاروبار کے درمیان ہو سکتا ہے

اور قایم رہ سکتا ہے۔ جو رکاوٹیں یوگ کی مزاحم ہیں۔ وہ ہمارے اندر ہیں۔ نہ کہ ہمارے باہر" (دیباچہ ترجمہ بھگوت گیتا۔ مولفہ مسز بسنٹ صاحبہ)۔

۳۶۔ سری کرشن جی اس طرح سے ارجن کو ادائے فرائض منصبی و دنیاوی کی تاکید کرتے ہیں۔ اور ان فرائض سے پہلو تہی کو "ان آریا" (غیر آریہ) خاصہ قرار دیتے ہیں۔

कुतस्त्वा कश्मलमिदं विषमे समुपस्थितम् ।
अनार्यजुष्टमस्वर्ग्यमकीर्तिकरमर्जुन २। अ०२॥
स्वधर्ममपि चावेक्ष्य न विकम्पितुमर्हसि ।
धर्म्याद्धि युद्धाच्छ्रेयोऽन्यत् क्षत्रियस्य न विद्यते ३१। अ०२॥
अथ चेत्त्वमिमं धर्म्यं संग्रामं न करिष्यसि ।
ततः स्वधर्मं कीर्तिं च हित्वा पापमवाप्स्यसि ३३। अ०२॥

ترجمہ

اے ارجن یہ بیدلی (ادائے فرض سے) رن کے میدان میں تجھ کو کہاں سے پیدا ہوئی۔ یہ آریوں کی شان سے بعید ہے "ان آریا" ہے اسکا انجام اچھا نہیں۔ اور یہ بدنامی کا باعث ہے۔ (۲)

علاوہ ازیں بلحاظ اپنے فرض منصبی کے تجھے ہٹنا نہیں چاہئے کیونکہ اس جنگ سے جو حق پر مبنی ہو۔ زیادہ مبارک کوئی چیز ایک چھتری کیلئے نہیں ہے۔ (۳۱)

لیکن اگر تو اس دھرم یدھ کو نہیں کرے گا۔ تو اپنے فرض سے
پہلو تہی کر کے اور نیکنامی کو گنوا کر تو گنہگار بنے گا۔ (۳۳)
(ادھیائے دوسرا۔ بھگوت گیتا)

۳۷۔ دیکھو ۳۲۔ پورا سنیاسی یا یہ کہئے۔ کہ سنیست کا ادھیکاری
وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جو اوّل کے تینوں آشرموں کی حسب قاعدۂ
شاستر پابندی کر چکا ہو۔ بہت ہی کم آدمی اور وہ بھی صدیوں بعد
ایسے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو اس سلسلہ کی پوری پابندی کی ضرورت
نہیں ہوتی۔ اور وہ بہت جلد سنیست کو اختیار کر لیتے ہیں وہ کیسی
روحیں ہوتی ہیں؟ اس ذکر کا یہ موقع نہیں ہے۔
سری کرشن فرماتے ہیں۔

भोगैश्वर्यप्रसक्तानां तयापहृतचेतसां ।
व्यवसायात्मिका बुद्धिः समाधौ नविधीयते ४४ ॥
त्रैगुण्यविषयावेदा: निस्त्रैगुण्यो भवार्जुन ।
निर्द्वंद्वो नित्य सत्वस्थो निर्योगक्षेमआत्मवान् ४५।अ०२॥

ترجمہ

"جن کا من لذتوں اور دولت میں پھنسا ہوا ہے۔ اور جن کا
دل ایسی تعلیم پر محو ہوتا ہے۔ سمادھی اور بدھی ان کے لئے نہیں
ہے" (۴۴)
"ویدوں میں تین گنوں کا ذکر آیا ہے (ست۔ رج اور تم) اے

ارجن! تو ان تینوں گنوں سے بالاتر ہو۔ دوئی کے خیالات سے معرا ہو۔ ست میں مستحکم رہ۔ طلب کی منزل سے بے پرواہ ہو۔ اور ذات میں وصل ہو رہ" (۴۵)۔

(بھگوت گیتا۔ ادھیائے دوسرا)

۳۸ حال کی مردم شماری میں ان کی تعداد ۵۲ لاکھ قرار دی گئی ہے۔

۳۹ خیالات مضمون کے اعتبار سے ہندی شاعری نو رس یا رنگوں میں منقسم ہے۔ جیسے بیر رس۔ رودر رس۔ کرنا رس۔ دی بھتش رس۔ ہاس رس۔ شانت رس۔ اور سنگار رس وغیرہ سنگار رس کی تعریف یہ ہے۔ کہ جس میں اُن چیزوں کا ذکر آب و تاب کے ساتھ ہو۔ پھولوں کے ہار۔ گل و بلبل۔ باغ و سبزہ۔ چادر مہتاب فرش حباب۔ رقص و سرود۔ عشق و شباب۔ مرد اور عورت فرط بشاشت اور وفور محبت و التفات۔ نیم خواب اور مستانی آنکھیں۔ میٹھی میٹھی باتیں کرنا وغیرہ۔ یعنی شعر کی وہ قسم جس میں عشقیہ و رندانہ مضامین منظوم ہوں۔

ہندی شاعری کی یہ صنف سب سے نکمی ہے۔ جس میں استاد نے کبھی قلم نہیں اٹھایا۔ اِن کا میدان شانت رس (کلام روحانی) اور بیر رس (رزم تھا)۔

یہ صنف شاعری صرف شوہر اور بیوی کے باہم محبت اور لطف صحبت بڑھانے کیلئے نکالی گئی تھی۔ تاکہ باہر کی کوئی ادنی تحریکیں

ان کے دل کو ڈانوانڈول نہ کر سکے :
مگر آج کل یہی رس ہر شخص کے کلام سے ٹپک رہا ہے۔ بعینہ ایسا حال گانے کا ہوا ہے۔ جو گنشت (ادنی درجہ) کا گانا۔ اور تباوا آج کل ارباب نشاط کا حصہ ہو رہا ہے۔ یہ کبھی عورتوں کو کرٹ کھتوں کے طریق پر سکھایا جاتا تھا۔ تاکہ وقت مناسب پر شوہر کے بھٹکے ہوئے اور ڈگمگائے ہوئے دل کو خوش اور قابو کر سکیں :

۴۰

अध्यापन मध्ययनं यजनं याजनं तथा।
दानं प्रतिग्रहं चैव ब्राह्मणा नामकल्पयत्।
अ० १।८८॥

ترجمہ

وید پڑھنا اور پڑھانا۔ یگیہ کرنا اور کرانا۔ دان لینا اور دینا برہمن کا دھرم (فرض) ہے۔
(منوسمرتی۔ ادھیاء اشلوک ۸۸)

۴۱ - منوسمرتی کے چوتھے باب میں شلوک ۲۱۰ سے ۲۲۳ تک وضاحت کے ساتھ ہدایت ہے۔ کہ برہمن کو کس کس کا نمتزن لینا۔ یعنی کس کے ہاں کھانا کھانا ممنوع ہے۔ ان میں سے چند کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں۔

ڈوم میراثی - سود خوار - قیدی - بدنام - بدچلن
ریاکار - پاکھنڈی - بے غیرت، بے رحم - غیبت کرنیوالا
جھوٹی شہادت دینے والا - شریر لوگ، لوگوں کی
بدی چاہنے والا - بخیل و خودغرض - سوشل درجے
سے گرا ہوا - زناکار کو دانستہ پناہ دینے والا - زن
مرید وغیرہ وغیرہ -

۴۲

ایک برس راقم کو ساون کا مہینا اجودھیا جی میں بسر کرنا پڑا -
وہاں یہ دیکھ کر سخت حیرت اور تاسف ہوا - کہ عام طوایفان بازاری
مندروں کے جگ موہن میں جہاں لوگ کھڑے ہو کر درشن کرتے
ہیں - ٹھاکروں کے سامنے معمولی طور پر ناچ مجرا کرتی ہیں -
تحقیقات پر معلوم ہوا - کہ ان اضلاع میں یہ ایک معمولی رواج ہے -

۴۳

"فن تعمیر میں جو آریوں کی قدیم کتابیں ہیں - ان کو انصاف کی
نظر سے دیکھ کر ایک دانشمند ہندوستانی نے جو مضمون لکھا ہے
اس میں ان کے قواعد کو بہت ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے -
اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن کے اصول کو آریہ
لوگ بخوبی سمجھتے تھے - اور بہت سے قاعدے اس کے انہوں
نے ایجاد بھی کئے -

(خواجہ الطاف حسین حالی - رسالہ مخزن العلوم جلد ۷ نمبر ۱۱)

میکسم توپ بنانے والا۔ یورپ کا مشہور عالم دھاتوں کا خود اقرار کرتا ہے۔ کہ فولاد کو سخت کرنے کی ترکیب اُسے ایک ہندو شاستر سے ہاتھ لگی ہے۔

لوہے کی لاٹھ یا کیلی جو راۓ پتھورا کے مندر کے صحن میں قائم ہونے کی وجہ سے پتھورا کی لاٹھ کہلاتی ہے کئی دھاتوں سے مرکب ہے۔ جو گلا کر ڈھالی گئی ہیں۔ ان میں سے کئی دھاتوں کا اب تک پتہ نہیں چلتا۔ کہ وہ کیا ہیں۔ یورپین محققوں کو یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قدیم ہندو لوہار۔ فولاد اور دھاتوں کے کیمیائی اجزا سے واقف تھے۔ اور اتنی بڑی اور ایسی طاقت کی بھٹیاں بنا سکتے تھے۔ جن کی حرارت سے ہر دھات پانی ہو سکے اور اتنی بڑی لاٹھ ڈھل سکے۔

۴۴ھ اشارہ ہے ایسی یادگاروں کی طرف جیسی سراگڈھی میموریل واقع فیروزپور و امرتسر ہیں۔ یہ یادگاریں گورنمنٹ نے اُن ۲۱ بہادر سکھ سپاہیوں کی شجاعت اور تہوّر کی اعتراف و اعزاز میں بنائیں۔ جو ۱۸۹۷ء کی سرحدی لڑائی میں سراگڈھی کے قلعہ میں سینکڑوں کو مار کر شہید ہوئے۔

۴۵ھ۔ (۱)

ਮਿਲਬੇ ਕੀ ਮਹਿਮਾ ਬਰਨਨ ਸਾਕਉ ਨਾਨਕ ਪਰੈ ਪਰੀਲਾ ॥

(۲)

ਏਕੋ ਇਕਤ੍ਰੁ ਮਿਲੋ ਮੇਰੇ ਭਾਈ ਦੁਬਿਧਾ ਦੂਰਿ ਕਰੋ ਲਿਵ ਲਾਇ ॥

ترجمہ

۱۔ اتفاق کی تعریف بیان سے باہر ہے۔ اتفاق ہر چیز سے بالاتر ہے۔

۲۔ پیارے بھایو میل جول سے رہو۔ جی توڑ کر نفاق کے دور کرنے میں کوشش کرو ؛

(پہلی پادشاہی۔ سری گورو گرنتھ صاحب)

تمت